Scanned with CamScanner

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ

کا

پُرارزش تاریخ وار ملفوظ

مُلفُوظُ الصَّفَر

اردو ترجمہ

مولانا ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی مدظلہ

ناشر

شرف الاشاعت، خانقاہ بلخیہ فردوسیہ،

گلزار ابراہیم، بھینساسور، بہار شریف، نالندہ

نام کتاب : ملفوظ الصفر

ملفوظ : حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری فردوسی قدس اللہ سرہٗ

اردو ترجمہ: حضرت مولانا ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی مدظلہٗ

کمپوزنگ : فردوسی کمپیوٹر سنٹر، گلزار ابراہیم، بھینساسور، بہار شریف

تعداد : ۱۰۰۰ (ایک ہزار)

اشاعت : طبع اول 2013 بمطابق ۱۴۳۴ھ

ناشر : شرف الاشاعت، گلزار ابراہیم، بھینساسور، بہار شریف (نالندہ)

قیمت :

مطبع :

ملنے کے پتے:

- مکتبۂ شرف، بیت الشرف، خانقاہ معظم، بہار شریف (نالندہ)
- شرف الاشاعت، خانقاہ بلخیہ فردوسیہ، گلزار ابراہیم، بھینساسور، بہار شریف (نالندہ)
- نعمت کریم اسٹور، جامع مسجد، پل پر، بہار شریف (نالندہ)
- پرویز بک ہاؤس، سبزی باغ پٹنہ۔۴

Published By : Sharaful Ashaet
Khanquah Balkhia Firdausia,
Gulzar-e-Ibrahim, Bhainsasur,
Bihar sharif, Nalanda, Bihar (India) 803101

E-mail : sharafulashaet@gmail.com
Mob : +91-9973755038, +91-9899967913,
+91-9905319932

فہرس

Scanned with CamScanner

پیشِ لفظ
از
مترجم

بِسْمِ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہ

سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری فردوسی قدس اللہ سرہٗ [م 782ھ مطابق 1381ء] کی ایک اہم اور پُر ارزش کتاب ''ملفوظ الصفر'' کا اردو ترجمہ آپ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔ یہ ملافیظ وہ ہیں جو شب 23/ صفر 762ھ سے 15/ جمادی الآخر 762ھ (1/ جنوری 1361ء---22/ اپریل 1361ء) کے درمیان یعنی حضرت مخدوم جہاںؒ کے وصال سے تقریباً بیس سال قبل جمع کئے گئے ہیں۔

اس کتاب کی قابلِ غور بات یہ ہے کہ اس کے جامع کا نام پردۂ خفا میں ہے۔ اس ملفوظ کے درج ذیل پانچ قلمی نسخے راقم الحروف کے پیش نظر ہیں :-

1 تاریخ کتابت درج نہیں --- مملوکہ خاص

2 تاریخ اتمام کتابت 16/ رمضان 1261ھ --- مملوکہ خاص

3 تاریخ اتمام کتابت 18/ جمادی الاول 1309ھ --- عکسی کاپی خدابخش لائبریری پٹنہ

4 تاریخ اتمام کتابت 24/ شعبان 1311ھ --- عکسی کاپی خانقاہ معمیہ قمریہ میتن گھاٹ پٹنہ

5 تاریخ اتمام کتابت 11/ جمادی الثانی 1321ھ --- مملوکہ خاص

ان نسخوں میں سے کسی میں بھی نہ جامع کا نام ہے، نہ تمہیدی کلمات ہیں اور نہ کوئی دیباچہ۔ جن تذکرہ نگاروں نے بھی حضرت مخدوم جہاںؒ کے ملفوظات پر قلم اٹھایا ہے ان میں سے اکثر نے اس کتاب کا نام ہی نہیں لکھا اور اگر بعض نے لکھا بھی تو مطالعہ کی زحمت گوارا نہیں کرنے کی وجہ کر صرف نام لکھنے پر اکتفا کرلیا۔ اسی لئے آج تک جامع کا نام منظر عام پر نہیں آسکا۔

بہرحال! اغلب قیاس یہی ہے کہ اس کے جامع بھی حضرت مخدوم جہاںؒ کے مرید و خادم خاص حضرت زین بدر عربیؒ ہی ہیں، اس لئے کہ داخلی شواہد اسی خیال کی تائید میں ہیں۔ حضرت زین بدر عربیؒ نے اور دوسرے ملفوظات میں اپنے شیخ کے لئے جو آداب والقاب لائے ہیں وہی یہاں بھی ملتے ہیں مثلاً پہلی ہی مجلس میں ''شفقت مآب پیر بزرگوار حضرت مخدوم جہاں عظمہ' اللہ ومتع اللہ المسلمین بطول بقائہ'' کا جملہ حضرت زین بدر عربیؒ کے انداز تکلم کو بتا رہا ہے اور اپنے لئے لفظ ''بیچارہ'' کا استعمال حضرت زین بدر عربیؒ کا خاص رنگ ہے اس لئے یہ مان لینے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ''ملفوظ الصفر'' کے جامع حضرت زین بدر عربیؒ ہی ہیں۔

مترجم نے جو سمجھا وہ یہاں لکھ دیا بیّن ثبوت فراہم کرنا اربابِ تحقیق کی ذمہ داری ہے۔

ایک اور سوال بحث طلب ہے اور وہ یہ کہ اس کتاب کا نام ''ملفوظ الصفر'' کس نے رکھا اور کیوں رکھا؟ آخر وجہ تسمیہ کیا ہے! اگر یہ سمجھا جائے کہ اس میں صفر کے مہینے کی مجالس ہیں تو یہاں پر یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ ماہِ صفر کے صرف ایک ہفتہ کی روداد ہے بقیہ مجالس ربیع الاول، ربیع الآخر، جمادی الاول اور نصف جمادی الآخر یعنی دوسرے ساڑھے تین مہینے کی ہیں، پھر ماہِ صفر کی تخصیص کیوں کی گئی، یہ گتھی بہ آسانی سلجھتی ہوئی نظر نہیں آتی، بجز اس کے کہ یہ کہہ دیا جائے کہ سارا معاملہ ''عشق'' کا ہے۔ وجہ تسمیہ جاننے کے لئے غور وفکر کے ساتھ جب بھی پوری کتاب پڑھی گئی تو نگاہ جواب کے لئے چھٹی مجلس پر آکر رک جاتی ہے، جس میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اس حدیث پاک کا ذکر ہے کہ ''جس نے ماہِ صفر کے نکلنے کی خبر دی اس کو جنت کی بشارت ہے'' یہ بے صبری عشق کو بتا رہی ہے، شاید اسی حدیث کو سامنے رکھ کر جامع یا کسی اور مرتب نے اس کتاب کا نام ''ملفوظ الصفر'' رکھ دیا ہو۔

ایسے اہم سوال پر مترجم کا یہ جواب ممکن ہے کہ آج کے دانشوروں کے حلق سے نیچے نہیں اترے، شاید کسی محقق اور دانشور کے سامنے کوئی نا قابل انکار جواب ہو تو حضرت مخدوم جہاںؒ کے ملفوظات پر کام کرنے والوں کے لئے واقفیت کا دروازہ وا ہو جائے۔

ملفوظ الصفر کل چونتس (34) لیکن کسی نسخے میں بھی مجلس کا نمبر شمار درج نہیں ہے۔ مترجم نے اپنی طرف سے نمبر ڈال دیا ہے یہاں پر یہ لکھ دینا بھی مناسب ہے کہ پانچوں نسخوں میں بڑی مماثلت اور یکسانیت پائی جاتی ہے۔ جو غلطیاں ہیں وہ پانچوں میں ہیں، اگر الفاظ غائب ہیں تو سب میں غائب ہیں، اگر بے ربط اور مبہم جملے ہیں تو سب نسخے میں ایک ہی حال ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پانچوں نسخے کسی ایک ہی نسخہ سے نقل در نقل ہوتے گئے ہیں۔

ملفوظ الصفر کی یہ چونتس مجالس ایسی پاکیزہ اور پر تقدس ہیں جن میں علوم شرعی کی بھرپور وضاحت بھی ملتی ہے اور طریقت کے رموز کی عقدہ کشائی بھی۔ ان کے علاوہ حقیقت و معرفت کے انوار و تجلیات سے کوئی صفحہ خالی نہیں۔

اگر اس کتاب میں فقہی مسائل کے تحت جو امور آئے ہیں ان میں یہ بتایا گیا ہے کہ فرض اور سنت مؤکدہ کے درمیان تاخیر نہ کی جائے، سنت مؤکدہ پڑھنے کے بعد آیت الکرسی پڑھی جائے، جانوروں کا گوشت حلال ہے کہ حرام، انشاء اللہ کہنے کی تاکید، بلی کا جوٹھا پاک ہے یا ناپاک، تعزیت کا طریقہ، قرآن کی تعلیم، امامت اور آذان پر اجرت، قضاء و قدر، جبر و اختیار، یزید پر لعنت، شافعی مذہب لڑکی سے شادی، تعمیر جدید کے لئے پہلی مسجد کی شہادت، کافروں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں میں جانے کی ممانعت، تلقین موتی، اہل سنت و جماعت کی تعریف اور حضرت امام شافعیؒ کی عظمت جیسے نکات پر تشفی بخش گفتگو ملتی ہے تو طریقت و حقیقت کے زیر عنوان اولیاء اللہ مرتے نہیں، پیر کے بغیر کمالات تک رسائی ممکن نہیں، مومن خوف و رجاء کے درمیان ہوتا ہے، الشیخ یحیی ویمیت کا معنی، جو اپنے کو اپنی نظر سے گرا دے وہی مرد ہے، معشوقوں کی بارگاہ میں صابروں کی گذر نہیں، استعداد کی تعریف، فرشتے لطیف ہیں لیکن یہ حرکت کے محتاج ہیں، حرکت کا محتاج ہونا کمال کی ضد ہے، معجزہ کرامت اور مکر میں فرق، جو جس سے محبت

کرتا ہے اسی کے ساتھ اس کا حشر ہوگا، کافروں سے حقیقی محبت نہ کی جائے، تفکر ایک آئینہ ہے، محققین کی باتوں تک اہلِ ظاہر کی پہنچ نہیں، جمال در نظر وشوق ہمچناں باقی کی تشریح، عشق بندے کو خدا تک پہنچا دیتا ہے، صاحبِ سکر کی اقتدا درست نہیں، اقسامِ غفلت، رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں سوتیں اور دل جاگتا، اپنے بارے میں بدگمان رہنا بہتر ہے، اللہ کی محبت بندے سے اور بندے کی محبت اللہ سے، اللہ کی عبادت اللہ کے لئے کی جائے، عالم کی خدمت کا ثمرہ اور دیدارِ الٰہی جیسے اہم ترین موضوعات کی صراحت بھی موجود ہے۔

اس کتاب میں شریعت وطریقت اور معرفت وحقیقت کا امنڈتا ہوا بحر بے کراں تو ہے ہی ساتھ ہی یہ کتاب ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ ہمارے مخدوم نہ صرف اس بحر بے کراں کے شناور ہیں بلکہ ملکی وسیاسی، سماجی ومعاشرتی حالات کے نباض بھی ہی اور امت مسلمہ کی فلاح و بہبودی کے فکر مند بھی۔ کتاب کھولئے، پہلی مجلس سامنے ہے، جامع ملفوظ چھ مہینے سولہ دن بلاد شرقیہ کے سفر سے واپس آئے ہیں، بارگاہ مخدوم میں حاضر ہوکر قدم بوسی کے شرف سے مشرف ہوتے ہیں اور مخدوم، بنگال پر فیروز شاہ کی قہر ڈھانے والی فوج سے وہاں کی عوام پر جو کچھ گذر رہی ہے اس کا حال دریافت کرتے ہیں۔

سبحان اللہ! کیسی محبت ہے میرے مخدوم کو بنگال کے لوگوں سے اور یہ محبت کیوں نہ ہو، بنگال ہی تو مخدوم جہاںؒ کی مادرِ علمی ہے اور ویسے قدر شناس استاذ کی درس گاہ ہے جو شاگرد کی ہمت دیکھ کر سات طواف کرتے، اس کے علاوہ بنگال کو مخدوم جہاںؒ کی سسرال ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

ملفوظ الصفر کی 28ویں مجلس میں سلطان اختیار الدین کی حرم بی بی ملکہ کا ذکر آیا ہے جن کی ملاقات کو میرے مخدوم تشریف لے گئے تھے اور جو آپ کی غلامی کی ڈور سے منسلک تھیں۔

آخر یہ کون سلطان اختیار الدین ہیں؟ یہ بختیار خلجی نہیں ہو سکتے اس لئے کہ ان کا انتقال 1207ء سے 1209ء کے درمیان ہوا اور یہ ملفوظ 1361ء کا ہے، اختیار الدین نام کے ایک سلطان وہ ہیں جو سنار گاؤں کے سلطان فخر الدین مبارک شاہ کے بیٹے تھے جن کا پورا نام

سلطان اختیار الدین غازی شاہ تھا اور وہ سنار گاؤں کے سلطان بنے۔ ان کا عہد 1350ء سے 1360ء کے درمیان کا ہے۔ اس لئے قیاس یہ کہتا ہے کہ انہیں کی حرم مخدوم جہاںؒ کی غلامی کی ڈور (حلقۂ ارادت) سے منسلک ہوں گی۔

چونتیس مجالس پر مشتمل اس مختصر سی کتاب سے ہمیں یہ واقفیت فراہم ہوتی ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ سیروا فی الارض اور تفکروا فی آیاتِ اللّٰہ کی روش پر کس قدر گامزن تھے، سات - آٹھ مجلسیں ایسی ہیں جو ملک محمود متصرف بہار کے باغ میں یا ندی کے کنارے سجائی گئیں اور وہاں صرف سیر و تفریح سے کام نہیں لیا گیا بلکہ کبھی خواجہ عطارؒ کے دیوان کا درس دیا، موت و حیات کی حقیقت سے پردہ اٹھایا، جن کی نگاہ اپنے عیوب پر نہیں ہوتی بلکہ دوسروں کی برائیوں کی تلاش میں رہتے ان کو تازیانۂ انتباہ لگایا، کبھی باغ میں اسمائے باری تعالیٰ پر تفصیلی گفتگو فرمائی، کبھی شیخ نصیر الدین کیا ہی کے ملفوظ کے حصے پڑھے گئے اور غیر معتبر عبارت کو قلم زد فرمایا، شیخ نصیر الدین محمود کے ملفوظ کے حوالے پیش کئے گئے، کبھی نماز کی جماعت قایم کی گئی اور کبھی باغ ہی میں دعوت کے ساتھ مجلس سماع منعقد کر کے اپنی برکتیں نثار فرمائیں۔

اس کتاب کی مجلس گیارہ (۱۱) میں جہاں اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تذکرہ ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ وہ بغیر کسی دوا اور بغیر کسی واسطے کے شفا دینے پر قادر ہے لیکن یہ بات حکمت کے خلاف ہے، وہیں جامع نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ ''یہ بات بیشتر فواید کے ساتھ خاکسار کے مرتب کردہ پانچویں یا چھٹے ملفوظ میں تحریر ہے۔ جس طلبِ صادق کو شوق ہو وہ ان کتابوں سے روشنی لے سکتا ہے، جو لطائف کا خزانہ ہیں''

آخر یہ پانچواں یا چھٹا ملفوظ کون سا ہے؟

اسی مجلس میں ابتلاء و آزمائش کے زیرِ عنوان لکھا ہے کہ ''حضرت مخدوم کے پہلے اور پانچویں ملفوظ میں جو اس خاکسار کا مرتب کردہ ہے اس بیچارے نے بہت کچھ لکھ دیا ہے اگر کسی کو مزید جاننے کا شوق ہے تو وہ ان کتابوں کو دیکھ لے''۔

آخر پہلا اور پانچواں ملفوظ کن کتابوں کو متعین کیا جائے۔

26ویں مجلس میں چوتھے ملفوظ کا حوالہ دیا ہے۔ ملفوظات کی فہرست میں چوتھا ملفوظ کس کو قرار دیا جائے گا؟

یہ ایک تحقیق طلب کام ہے جس تک رسائی مشکل اور ناممکن تو نہیں ہے لیکن خاکسار مترجم کی گرتی ہوئی صحت اس کو حل کرنے کی سعی میں حائل ہے۔ مترجم یہاں پر دیگر ملفوظات کے سنہ ترتیب لکھ کر ارباب تحقیق کے لئے تحقیق کا راستہ ہموار کر دیتا ہے۔

معدن المعانی	749ھ سے قبل
خوان پر نعمت	751ھ
گنج لایفنیٰ	760ھ
ملفوظ الصفر	762ھ
تحفۂ غیبی	769ھ
مونس المریدین	775ھ

ان کے علاوہ جو ملفوظات ہیں ان میں سنہ ترتیب نہیں ہے اس لئے یہاں پر ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔

ملفوظ الصفر سے خانقاہ معظم کے رسومات کی اطلاع بھی ملتی ہے مثلاً جب بھی نیا چاند نکلنا چاہے کسی مہینے کا ہو مریدین و متوسلین بارگاہ مخدوم میں مبارکبادی پیش کرنے حاضر ہوتے۔

6/جمادی الآخر کو مخدوم جہاںؒ کے بھانجا مولانا زین الدین کا انتقال ہوا اور دوسرے ہی روز یعنی 7/جمادی الآخر کو ختم (قرآن) کی مجلس جماعت خانہ میں منعقد ہوئی۔

مخدوم جہاںؒ کے مریدان وقت کی قدر کرتے تھے اور اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ برباد اور ضائع ہونے نہیں دیتے، ان کی ایک ہی خواہش تھی کہ اپنے شیخ کے دسترخوان کرم کا ایک ایک دانہ دامن میں جمع کرلیں، اسی لئے جب اور جس وقت بھی موقع نصیب ہوتا چاہے مخدوم اپنی خانقاہ میں ہوں یا عبادت گاہ میں، باغ میں ہوں یا ندی کے کنارے ہر لمحہ نگاہ شیخ کے چہرۂ انور پر ہوتی اور گوش بر آواز رہتے، حد تو یہ ہے کہ ملک محمود متصرف بہار کے باغ میں مجلس سماع، ظہر کی نماز اور کھانے سے فراغت کے بعد ڈولہ پر سوار ہو کر خانقاہ معظم کی طرف واپس ہو رہے تھے تو

جامع ملفوظ ہٰذا اور قاضی شمس الدین چوسہ ڈولہ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے، درس گاہ مخدوم کے ان دونوں ہونہار شاگردوں نے وقت کو غنیمت سمجھا اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کی رحمت سے مستفیض ہونے سے متعلق سوال کر دیا اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات کتنے حریص تھے اور کیسے طالب صادق تھے۔

آج کے علماء و خطباء اور مشائخ مسجدوں میں اتنی طویل تقریریں کرتے ہیں کہ سچ پوچھئے سامعین کے لئے ان کی تقریر پریشانیوں کا سبب بن جاتی ہے۔ کوئی مریض ہے، کسی کو قارورے کی تکلیف ہے، کسی کے لئے زیادہ دیر بیٹھنا مشکل ہے، کوئی پاؤں سے مجبوز ہے، کوئی اسکول کالج چھوڑ کر آیا ہے، کسی کو جلد سے جلد آفس اور کورٹ پہنچنا ہے، غرض کہ طرح طرح کی پریشانیاں لوگوں کے ساتھ لاحق ہیں اور خطیب محترم، شیخ وقت، امام ذی وقار لوگوں کی تمام پریشانیوں کو پس پشت ڈال کر اور وقت کی پابندی کو بالائے طاق رکھ کر صرف واہ واہی لوٹنے کے لئے لمبی لمبی تقریریں کر رہے ہیں-- یہ بیماری کوئی آج کی نہیں ہے۔ ملفوظ الصفر کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کے عہد میں بھی یہ خرابی پائی جاتی تھی، 15 ویں مجلس کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے----

> "قاضی منہاج الدین خلیلی اور مولانا میاں نائب خطیب مجلس شریف میں حاضر تھے، حضرت مخدوم عظمۃ اللہ، نائب خطیب مولانا میاں کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا اس زمانے میں خطبہ کو طویل نہیں کیا جائے، حمد اور وعظ میں اختصار سے کام لیا جائے اور تقریر میں زیادہ باتوں سے احتراز کیا جائے اس لئے کہ اس زمانہ میں زیادہ تر لوگ ایسے ہیں جو مختلف قسم کی پریشانیوں میں مبتلا ہیں اور پریشان حال ہیں۔ امام اعظمؒ کے نزدیک اگر خطیب نے صرف الحمد للہ پڑھ دیا تو خطبہ پورا ہو گیا، آج کل امام اور خطیب خطبہ تیار کرنے اور اس کو یاد کرنے میں ہر وقت لگے رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ علم کی جیسی تحصیل ہونی چاہئے نہیں ہوتی ہے۔"

حاصل کلام یہ کہ ملفوظ الصفر میں جو شرعی امور اور تصوف کے اسرار و رموز آئے ہیں، دل چاہتا ہے کہ ہر موضوع کی وضاحت وصراحت کی جائے لیکن طوالت مانع ہے۔

دامان نگہہ تنگ وگل حسن تو بسیار

زیب سجادۂ مخدوم جہاں حضرت جناب حضور سید شاہ محمد سیف الدین فردوسی مدظلہ کا ممنون کرم ہوں کہ ان کی دعائیں ہمیشہ میرے ساتھ رہتی ہیں اور اسی کا یہ ثمرہ ہے کہ ہر سال کی ایک کتاب کا ترجمہ منظر عام پر آجاتا ہے۔ شرف الاشاعت کی روز افزوں ترقی کے لئے حضرت کی مزید دعاؤں کا محتاج ہوں۔

میں احسان مند ہوں حضرت سیدنا مخدوم منعم پاک قدس اللہ سرہٗ کی خانقاہ منعمیہ میتن گھاٹ پٹنہ سیٹی کے سجادہ نشیں حضرت پروفیسر ڈاکٹر سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی صاحب زاد اللہ محبتہٗ وطال اللہ عمرہٗ کا جنہوں نے اپنے کتب خانے سے ملفوظ الصفر کے مطالعہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔

اب میں اس شخص کی خدمت میں ہدیۂ امتنان پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں جن کو بزرگوں سے عقیدت بھی ہے اور اس فقیر سے محبت بھی، میری مراد جناب سید محمد ارشد عالم (ارشد استھانوی) پرنسپل صغریٰ ہائی اسکول /انٹر کالج بہار شریف سے ہے جنہوں نے میری ایک آواز پر لبیک کہتے ہوئے ایک مبسوط مقالہ لکھ کر عنایت فرمایا۔

برادر عزیز سید شاہ عابد علی شرفی فردوسی سلمہٗ دعاؤں کے مستحق ہیں جنہوں نے حسب سابق اس کتاب کے اشاریہ بنانے کی زحمت گوارا کی۔

نور چشم احمد غزالی فردوسی سلمہٗ، عزیزم علی نواز چشتی مدعمرہٗ اور شرف الاشاعت کے تمام اراکین کے لئے بھی دعا گو ہوں۔ اس لئے کہ اگر ان لوگوں کی کوشش نہ ہوتی تو نہ اس فقیر کو ہمت ملتی اور نہ طباعت کے لئے رقم فراہم ہوتی۔

اپنے عزیز نواز شریف فردوسی کو کیسے فراموش کردوں جس نے اس کتاب کی کمپوزنگ اور تزئین وترتیب کی خدمت کو بہ جذبۂ عقیدت ومحبت انجام دے کر فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ کے امیدوار بن گئے۔

اس فقیر کو یہ احساس ہے کہ ترجمے میں بہت ساری غلطیاں ہوں گی، اہلِ نظر سے یہ درخواست ہے کہ غلطیوں کی نشاندہی کر کے براہِ راست مترجم کو مطلع فرمائیں۔ اِدھر اُدھر شکایت کر کے کتاب کی وقعت کو کم نہ کریں۔ خدا کرے بارگاہ مخدوم میں ترجمہ اور مترجم دونوں کو شرف قبولیت نصیب ہو جائے آمین!

جاروب کش

آستانۂ حضرت مخدوم شیخ حسین نوشۂ توحید بلخی فردوسی قدس سرہٗ

محمد علی ارشد شرفی فردوسی غفرلہٗ

۲۳ رمضان ۱۴۳۴ھ

باسمہ تعالیٰ

ترجمہ نگاری اور علی ارشد شرفی

(ملفوظ الصفر کی روشنی میں)

ہم انسانوں کی طرح "زبان" بھی ایک نامیاتی حقیقت ہے۔ یہ مُوآفق حالات، عوامی التفات، عمومی مقبولیت اور سب کی عملی حمایت سے بڑھتی، پھولتی پھلتی اور پروان چڑھتی رہتی ہے، پھر منفی حالات، عام الناس کے عدم التفات، اُن کے درمیان عدم مقبولیت اور اُن کی عدم حمایت کے نتیجے میں حیات وموت کی کشمکش سے دوچار ہو کر فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے یعنی جس طرح ہم پیدائش، بچپن، جوانی، بوڑھاپا اور موت سے عموماً دوچار ہوتے ہیں کم وبیش اسی طرح زبان بھی ان حالات سے دوچار ہو کے کبھی کبھار مر جاتی ہے، اور جب کوئی زبان مرتی اور فنا کے گھاٹ اترتی ہے تو مختلف علوم وفنون اور بے شمار تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی روایات کی دولتِ بے بہا کو ساتھ لے کر دفن ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں انسانی معاشرہ اپنے ماقبل کے تاریخی واقعات، بیش قیمت تجربات ومشاہدات، جذبات واحساسات، افکار وخیالات اور ہمہ جہت مذہبی، علمی، تمدنی اور لسانی معلومات وروایات سے محروم وبے خبر ہو کر جہل کا شکار بنتے ہوئے سخت ذہنی وفکری خسارے سے دوچار ہوتا اور صدیوں پیچھے چلا جاتا ہے اور ایسے میں کوئی ذی علم مترجم اُس مرتی مٹتی یا سکڑتی سمٹتی زبان کے سرمایۂ دیرینہ یا اس کے بالکل برعکس دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کے علمی ومعلوماتی خزینہ کو ترجمہ کی وساطت سے اپنی موجودہ یا آئندہ نسل کے لئے منتقل کرلیتا ہے تو وہ کسی خاص فرد یا سماج پر ہی نہیں پورے انسانی اور لسانی معاشرہ پر بڑا احسان کرتا

ہے۔ مترجم کا یہ احسان اس اعتبار سے بے حد اہم ہے کہ وہ ایک زبان کی معلومات کو دوسری زبان میں منتقل کر کے انسانوں اور قوموں کے درمیان حائل ذہنی وفکری خلیج کو پاٹتے ہوئے جدید افکار ونظریات، تاریخی وتہذیبی روایات اور دینی ومذہبی معلومات کو ایک قوم سے دوسری قوم تک پہنچاتا ہے جس کے نتیجہ میں جہاں اقوام کے خیالات وافکار میں بالیدگی اور پختگی آتی ہے وہیں ایک زبان دوسری زبان کے طرزِ اظہار، اُس کے مزاج اور اُس کی ساخت سے متعارف ومتاثر ہو کر خود میں جدت ووسعت اور طاقت وحلاوت پیدا کرتی اور فروغ پاتی ہے۔

ترجمہ کی روایت بہت قدیم ہے، شروع سے ہی انسان اپنے خیالات وافکار اور احوال واحساسات کو دوسروں تک پہنچانے اور دوسروں کے خیالات وجذبات سے واقف ہونے کا فطری طور پر متمنی وخواہاں رہا ہے اور یہ تمنا وخواہش اکثر وبیشتر ضرورتاً بھی رہی ہے کہ مختلف خِطّوں اور علاقوں میں رہنے والے انسانوں کی زبانیں ایک دوسرے سے مختلف ہوا کرتی تھیں چناں چہ خیالات وجذبات کی ترسیل، باہمی ربط وارتباط کی تشکیل اور تجارتی معاملات و ضروریات کی تکمیل وغیرہ کے لئے ترجمہ کا عمل انتہائی ناگزیر تھا اسی لئے جیسے جیسے علوم وفنون کا ارتقاء ہوا ترجمہ کے ذریعہ اِن سے متعلق معلومات بھی دوسری زبانوں میں منتقل کی جانے لگیں مثلاً عرب حکماء نے یونانی مفکرین کے افکار وخیالات کو ترجمہ کے توسط سے عام کیا اور منطق و فلسفہ اور طِبِّ یونانی سے متعلق نادر روزگار کتابوں کے تراجم عربی زبان میں کر کے عام لوگوں تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا، اور آج اکیسویں صدی یعنی گلوبلائزیشن (Globalization) یا عالم کاری وعالم گیریت کے اِس عہد میں جب ہم سانس لے رہے ہیں تو عالمی بصیرت یا عالم گیر آگہی ہم انسانوں کی لازمی ضرورت بن گئی ہے جس کی تکمیل اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ ایک زبان کے بولنے والے دوسری زبانوں کے علم وآگہی، فکر وشعور، جذبۂ واحساس اور تکنک وسائنس سے واقف نہ ہوں، اور یہ واقفیت ترجمہ کے بغیر ممکن نہیں اور ترجمہ کے ذریعہ ایک زبان کے علم ومعلومات اور اُس زبان سے وابستہ عوام ودانشوران کے آرا وخیالات، اُن کے تجربات ومشاہدات اور احوال واحساسات کو کماحقہٗ منتقل کرنا کچھ آسان نہیں، یہ اور بات ہے

کہ بہ ایں ہمہ ترجمہ کو در خور اعتنا نہیں سمجھا گیا اور طبع زاد و اصل تصنیف کے مقابلہ میں اُسے کم تر درجہ دیتے وقت اِس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا کہ اگر تخلیق کار اپنی تخلیق کے عمل کے دوران سخت ذہنی وفکری کرب سے گذرتا ہے تو ترجمہ نگار بھی اصل تخلیق کے معانی ومفاہیم اور منشاومراد کی حقیقی بازیابی اور ترجمانی کے عمل میں سخت ذہنی مشقت وریاضت کے کرب سے دوچار ہوتا ہے۔ اِس کا کام لسانیاتی بھی ہوتا ہے اور بشریاتی (Anthropological) بھی۔ وہ اگر ایک طرف زبان پر عبور ودسترس رکھتا ہے تو دوسری طرف زبان کے تہذیبی ومعاشرتی پس منظر سے مطلع وباخبر بھی ہوتا ہے۔ اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ترجمہ کے مواد کی زبان یعنی جس زبان کا ترجمہ کیا جارہا ہو اور ترجمہ کی زبان یعنی جس زبان میں ترجمہ کیا جارہا ہو کے جملہ رموز ونکات اور اُن کے تمام تر کنہیات سے پوری طرح واقف ہو یعنی یہ کہ وہ تخلیق کی زبان اور ترجمہ کی زبان کے قواعد وگرامر، اُن کے محاورات وضرب الامثال، روزمرّہ وتلمیحات، تشبیہات و استعارات، متضادات و مترادفات، اصطلاح سازی کے مسائل ومعاملات اور جملہ لسانی اصول ونظریات پر نہ صرف یہ کہ بھرپور اور گہری نظر رکھتا ہو بلکہ وہ ترجمہ کی صلاحیت، نت نئی تراکیب، نئے الفاظ ونئی اصطلاحات وضع کرنے پر قدرت، اصل تصنیف کی زبان کی تہداریوں اُس کی باریکیوں اور نفاستوں سے واقفیت، تصنیف کے موضوع سے متعلق کلیات وجزئیات سے باخبری، تصنیف کے عہد کے اندازِ فکر، طریقۂ زندگی اور طرز بود وباش سے آگہی، مصنف وتصنیف سے ہمدردی اور ترجمہ اور اُس کے فن سے شوق ودلچسپی رکھتا ہو وگرنہ ترجمہ کچھ سے کچھ ہو کے قلب وروح اور ذہن ودماغ کی تسکین وتغذیہ کا سامان بننے کے بجائے ذہنی تکدر وخلجان کا سبب بن جائے گا۔

عام علوم وادبیات کے مقابلہ میں مذہبیات کے ترجمہ کا معاملہ کچھ زیادہ ہی اہم اور نازک تر ہوجاتا ہے کہ اِس میں اِک ذراسی چوک اور لغزش سے ایمان کی سرحدیں کفر سے جاملتی ہیں جس سے عظیم ایمانی نقصان کے خدشات قوی تر ہوجاتے ہیں اور بات بننے کی بجائے بُری طرح بگڑ جاتی ہے لہٰذا ایسے ترجموں میں حد درجہ احتیاط وغایت انہماک کی ضرورت نسبتاً زیادہ شدید ہوجاتی ہے۔ اِس کے علاوہ ترجمہ کا تعلق مذہبیات میں بھی خاص طور پر اگر اسلامیات سے ہے تو مترجم کی محض دو

زبانوں سے واقفیت کافی نہیں، اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اصل مواد اور ترجمہ کی زبانوں کی واقفیت کے ساتھ ساتھ بہر حال عربی زبان سے بھی واقف ہو اِس لئے کہ اسلامیات کا لسانی منبع و مصدر یہی عربی زبان ہے اور اِسی لئے اسلامیات کے بیان میں قرآن پاک یا حدیث شریف کے عربی اقتباسات کا من وعن در آنا بہت ہی فطری اور منطقی ہے، اور ایسے میں مترجم کی عربی دانی اگر محدود و مشکوک ہے تو اُس کی ترجمہ نگاری بھی درجۂ اعتبار پانے کے بجائے مجہول و مشکوک ٹھہرے گی۔ پھر ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ترجمہ کا تعلق مطبوعات کے بجائے اگر مخطوطات سے ہو تو مترجم کا کام اور بھی مشکل اور دشوار ہو جاتا ہے اِس لئے کہ قدیم مخطوطے اپنے عہد کی عام مروجہ روایتِ تحریر کے مطابق نہ صرف یہ کہ خطِ نسخ اور کشیدہ تحریروں میں رقم ہیں بلکہ بسا اوقات دو مختلف الفاظ باہم مربوط و مدغم انداز میں کچھ یوں مرقوم ہیں کہ اُن کا پڑھنا بھی جوئے شیر لانے سے کم نہیں اور ایسے میں مترجم کی اپنی علمی لیاقت و فطری ذہانت اور اُس کی مزاولت و ممارست اگر اُس کے شوق و لگن اور محنت و ریاضت کو سنبھالا نہ دے تو مترجم اپنے کام کی اِس پہلی منزل یعنی قرأت کی ہی پُر پیچ وادیوں میں یوں گم ہو جائے کہ بالآخر تھک ہار کے اُس کے حوصلے اُس کا ساتھ چھوڑتے ہوئے اُسے سیدھے سپر ڈالنے پر مجبور کر دیں۔

مجھے بے حد حیرت و مسرت ہوتی ہے جب میں حضرت مولانا ڈاکٹر علی ارشد شرفی فردوسی زیب سجادہ حضرت مخدوم حسین نوشۂ توحید بلخی فردوسیؒ (م ۱۶؍مئی ۱۴۴۱ء مطابق ۲۴؍ذی الحجہ ۸۴۴ھ) کو ترجمہ کے جوکھم بھرے اِس علمی کام میں بچشمِ خود تین دہائیوں سے روایتی طور پر حد درجہ منہمک و مستغرق دیکھتا ہوں، مولانا کے اِس انہماک و استغراق کو جان بوجھ کر میں روایتی اِس لئے لکھ رہا ہوں کہ واقعتاً ترجمہ کی یہ روایت اُنہیں نانھیال و دادھیال دونوں طرف سے ترکہ و ورثہ میں ملی ہے، آپ کے حقیقی نانا حضرت سید شاہ نجم الدین احمد شرفی الفردوسیؒ (م ۲۷؍مئی ۱۹۶۲ء) بلند پایہ بزرگ ہونے کے ساتھ ساتھ اردو و فارسی زبان و ادب پر مکمل دسترس رکھتے تھے جنہوں نے اپنی شعری یادگار کے طور پر جہاں اردو و فارسی کے اعلیٰ کلام چھوڑے وہیں شیدائی مخدوم جہاں کی حیثیت سے مکتوباتِ صدی کا عمدہ ترجمہ چھوڑ کر اپنی بہترین نثر نگاری اور عمدہ ترجمہ نگاری کا ثبوت و سرمایہ فراہم کیا پھر مولانا

موصوف (ڈاکٹر علی ارشد شرفی) کے بڑے ابا جان یعنی حضرت مولانا ڈاکٹر سید شاہ نعیم الدین ندوی فردوسی القادریؒ (م ۲۷ رمئی ۱۹۸۴ء مطابق ۷ ر رجب ۱۴۰۴ھ) علیہ الرحمہ بھی ترجمہ نگاری کے اِسی میدان کے شہسوار تھے جنہوں نے مکتوباتِ دوصدی اور مناقب الاصفیاء کا کچھ ایسا اعلیٰ ترجمہ پیش کیا کہ دانشورانِ دین وادب نے اُن کے ترجمہ کو عالمانہ ترجمہ کا نام دیا۔ حضرت نانا جان اور بڑے ابا جان رحمتہ اللہ علیہما کے علاوہ خود والد ماجد حضرت مولانا حکیم سید شاہ قسیم الدین احمد فردوسی نور اللہ مرقدہٗ (م ۱۲ر جون ۱۹۹۳ء مطابق ۲۰ رذی الحجہ ۱۴۱۳ھ) جو ایک ذی علم صوفی بزرگ ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر زبانِ اردو و فارسی بھی تھے نے اپنی لسانی مہارت، بزرگانِ دین و صوفیائے کرام سے والہانہ عقیدت اور علوم دینیہ ونبویہ کی ترویج واشاعت سے گہری محبت کے نتیجہ میں ترجمہ نگاری کو اپنی زندگی کا ایسا جزو لاینفک بنالیا کہ مکتوباتِ دوصدی، مکتوباتِ مخدوم حسین نوشۂ توحید بلخی، اوراد دہ فصلی، شرح آداب المریدین (چند اجزاء)، فوائد المریدین، مونس المریدین، عقیدۂ شرفی اور جوابی مکتوب جیسی پُر معانی ولافانی فارسی نگارشاتِ اسلامی کے مثالی تراجم اِن کی کاوشِ باحصول کی بناپر منصۂ شہود پر آکے خود مترجم کو حیاتِ جاویدانی عطا کر گئے اور حضرت نعیم فردوسیؒ کے ترجمہ کو عالمانہ قرار دینے والے اصحاب علم ونظر کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ حضرت نعیمؒ کا ترجمہ اگر عالمانہ ہے تو حضرت قسیمؒ کا عارفانہ۔ پھر معروف دینی وملی مفکر ومصنف حضرت مولانا سید صباح الدین عبدالرحمٰن علیہ الرحمہ نے ''شرح آداب المریدین'' کے پیش لفظ میں حضرت قسیمؒ کی محنت ولیاقت کی داد دیتے ہوئے انہیں حضرت مخدوم جہاںؒ کی تحریروں کا بڑا اداشناس لکھ کے اُن کی ترجمہ نگاری کی عظمت کی توثیق کے ذریعہ استناد کا درجہ عطا کر دیا ------ مختصر یہ کہ علم وادب کا گہوارہ یہی وہ دینی وعلمی خانوادہ ہے جس سے حضرت مولانا کا نسبی وصلبی رشتہ ہے اور اسی لئے آنکھ کھولتے ہی مولانا نے گھر کا سارا ماحول دینی ومذہبی اور علمی و ادبی دیکھا، پھر کچھ لکھنے پڑھنے کی عمر ہوئی تو دادا جان یعنی حضرت مولانا سید شاہ محمد ابراہیم حسین فردوسیؒ (م جنوری ۱۹۶۵ء مطابق ۲۳ ر رمضان ۱۳۸۴ھ) نے خود معلم بن کے جہاں ان کی ظاہری تعلیم کو یقینی بنانے میں اپنی توانائی صرف کی وہیں تزکیۂ نفس کے ساتھ ان کی باطنی تربیت پر

ایسی توجہ مرکوز کی کہ مولانا کی جوانی بے داغ رہی اور وہ قبیلے کی آنکھ کا تارا بن گئے۔ دادا جان کی شفقتوں کے ساتھ حضرت نانا جان کی محبتوں نے بھی سونے پر سہاگا کا کام کیا اور والدین کی دعاؤں کے علاوہ مذکورہ اِن دونوں بزرگوں کی نظرِ عنایات اور فیوض و برکات کے نتیجہ میں مولانا بفضلِ خداوندی جہاں حاملِ اعلیٰ صفات بن گئے وہیں رب ذوالجلال والاکرام نے بھی مولانا موصوف کو انہیں تمام امور کی انجام دہی کے لئے مقرر و منتخب کرلیا جن کے لئے اُن کے آباء واجداد مامور و متعین تھے۔ اب مولانا نے بھی تبلیغ دین و شریعت کو اپنا وطیرہ و شعار بنالیا اور منبر و محراب یا جلسہ و میلاد کو اصلاحِ امت کا پلیٹ فارم مانتے ہوئے اگر ایک طرف اپنی تقریروں سے اشاعتِ دین کا فریضہ انجام دیا تو دوسری طرف صوفیائے کرام و اولیائے عظام کے خیالات و تعلیمات کو جو زبانِ فارسی میں تھیں اردو کا لسانی لبادہ اوڑھا کر سب کے سامنے بس یہ سوچ کے پیش کرنا شروع کردیا کہ شاید کسی دل میں بھی بات اتر جائے اور دونوں جہاں سنور جائے۔ مولانا نے ترجمہ نگاری کا کام کم عمری سے ہی شروع کردیا ابتدأ ”ارشاد الطالبین“ اور ”ارشاد السالکین“ کے تراجم جب اُن کے شوق و لگن اور زورِ قلم کے نتیجہ میں سامنے آئے تو جہاں عام الناس نے تحسین و تعریف میں کچھ کسر نہ چھوڑی وہیں مشہور دینی و اسلامی اسکالر حضرت مولانا سید صباح الدین عبدالرحمٰن علیہ الرحمہ نے بھی اپنی دلی مسرت کے اظہار کے ساتھ مولانا کی کم عمری کے باوجود اُن کی علمی و قلمی صلاحیت کا اعتراف کیا اور اپنے تعلق پارینہ و شفقتِ دیرینہ کے تحت نہایت حوصلہ افزا تحریری موعظت و نصیحت سے باریاب کیا۔ اپنے مکتوب مرقومہ ۲۲ر مئی ۱۹۸۵ء بنام مترجم موصوف جس کی عکسی کاپی راقم السطور نے تیمناً و تبرکاً اپنے پاس محفوظ کرلی ہے میں رقم فرماتے ہیں کہ-----

”آپ کا خط ملا اور ارشاد الطالبین وارشاد السالکین کے دو نسخے بھی ملے، خوشی ہوئی کہ آپ اپنی اس کم عمری میں اہلِ قلم و مصنف بھی ہو گئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو علمی و قلمی صلاحیت دی ہے اس سے پورا فائدہ اٹھائیے اور اپنے والد ماجد کی علمی روایت کو اور بھی زیادہ بلند کیجئے۔ آپ کے گھر میں جو علم رہا ہے اُس کی شمع کو روشن رکھئے اور پھر حضرت مخدومؒ کی

خانقاہ سے آپ لوگوں کا جو تعلق رہا ہے اُس بنا پر آپ کا اہلِ قلم اور مصنف
ہونا ضروری ہے تا کہ اس خانقاہ کی علمی روایت کو جس طرح آپ کے والد
بزرگوار نے قائم رکھا آپ کے ذریعہ بھی جاری رہ سکے۔ آمین۔"

ارشاد الطالبین وارشاد السالکین کے بعد مکتوبات بست وہشت، خوانِ پر نعمت، تفسیر امام زاہد (سورۂ فاتحہ)، مکتوباتِ مخدوم حسینؒ، مناقب الاصفیاء، وصیت نامہ حضرت مخدوم نجیب الدین فردوسیؒ، رسالہ عینیہ، فوائد رکنی، شرح آداب المریدین (حصۂ نصف)، الاصول العشرہ، اورادِ خورد اور مونس القلوب جیسی بیش بہا کتابوں، مخطوطوں یا مسودوں کے سلسلہ وار تراجم زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آتے رہے اور وہ اُردو والوں سے خراجِ تحسین وصولتے رہے پھر "ملفوظ الصفر" کی باری آئی اور اب جب کہ "ملفوظ الصفر" کا ترجمہ اشاعتی مرحلہ میں ہے مولانا کی ترجمہ نگاری پر کچھ زیادہ لکھنا اس لئے ضروری نہیں کہ مولانا اب محض ترجمہ نگار نہ ہو کر ماہر و مشاق اور نہایت قابلِ اعتبار مترجم کی حیثیت سے صاحبانِ علم وبصیرت کی نظروں میں قابلِ رشک مقام بنا چکے ہیں اور ان کا ہر ترجمہ اپنے ماسبق پر سبقت حاصل کرتا نظر آتا ہے مگر یہاں اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ کوئی بھی مترجم اس معاملہ میں بالکل آزاد ہے کہ وہ پیش نظر مواد، مسودے یا مخطوطے کا ترجمہ اپنی زبان میں کر کے اپنے منصبی فرائض سے بری الذمہ ہو جائے اور مزید کسی اضافی بوجھ کا خود کو شکار نہ بنائے لیکن مولانا کا ذوقِ تحقیق وشوقِ ترتیب کبھی انہیں اس کی اجازت نہیں دیتا یہی وجہ ہے کہ ہر ترجمہ میں مولانا موصوف مترجم بننے سے قبل محقق و مرتب کی روش اپناتے اور حاصل شدہ ایک مخطوطے کا سو پریشانیوں کے بعد حاصل کردہ دیگر مخطوطات سے موازنہ و مقابلہ کر کے گہرے تقابلی جائزہ کے بعد مخطوطہ کے متروکات و محتویات اور تسامحات و فروگذاشت کی علمی و منطقی اصلاحات کر کے تحقیقی و تنقیدی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہوتے اور عام قارئین کی سہولتوں اور ضرورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے حسبِ حاجت ایسی عمدہ ترتیب وتبویب کرتے ہیں کہ کتاب اپنے اصل سے زیادہ حسین ودلکش ہو جاتی ہے، پھر ترجمہ نگاری کے دوران وہ سہل نگاری کا دامن کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور روزمرہ کی ایسی

صاف وسادہ اور بامحاورہ زبان استعمال کرتے ہیں کہ ترجمہ عام فہم ہونے کے ساتھ کچھ اتنا پُر کیف وپُر تاثیر ہو جاتا ہے کہ گویا بات دل سے نکلتی اور دل میں اترتی چلی جاتی ہے۔ مولانا کے جملہ تراجم کی طرح ''ملفوظ الصفر'' کا ترجمہ بھی بے حد خوبصورت ودل پسند ہے اور یہ کتاب چونکہ سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری فردوسی قدس اللہ سرہٗ (م ۷۸۲ھ) کے ملافیظ کا مجموعہ ہے اس لئے علوم شریعت، رموزِ طریقت، نکاتِ حقیقت ومعرفت اور دانش وحکمت کے بیان سے اس کے تمام صفحات منور وتاباں نظر آتے ہیں جن کا تذکرہ مترجم موصوف نے اپنے ''پیشِ لفظ'' میں کیا ہے اور جن کا مشاہدہ قارئین کے مطالعہ سے ہوسکتا ہے اس لئے اس کتاب کی اہمیت وافادیت اور اس کی وقعت ومعنویت پر بحث کے بجائے فقط اپنے بیان کی تائید میں یہ کہنا ضروری ہے کہ مولانا علی ارشد شرفی نے اپنے تحقیقی وتنقیدی مزاج کے تحت ماسبق کے تمام تراجم کی طرح ''ملفوظ الصفر'' کے ترجمے میں بھی سب سے پہلے اپنے تحقیقی شعور کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کے مختلف پانچ نسخوں کو پیش نظر رکھا اور اپنی ناقدانہ بصیرت سے کام لیتے ہوئے جب اپنی ذہنی وقلبی تشفی کر لی تو ترجمہ نگاری کے فرائض کی انجام دہی کی طرف متوجہ ہوئے اور جب مخطوطہ کی قرأت کا اولین پُر پیچ مرحلہ سامنے آیا اور خط نسخ اور فارسی وعربی کی مدغم ومربوط انداز میں لکھی گئی تحریریں راہ کار رخنہ بنیں تو مولانا نے اپنی طبعی ذہانت اور عربی دانی کی بدولت انہیں کنارے لگاتے ہوئے منزلِ مقصود تک کا سفر طئے کر لیا---------- مولانا کی ترجمہ نگاری کی تفہیم اور اُس کے قدر ومعیار کی تعیین کے لئے درجن بھر کتابوں کے کئے گئے اُن کے تراجم موجود ہیں اور مضمون وصفحات کی حد بندیاں بھی یہاں بہت سی مثالوں کی پیشی کی یکسر اجازت نہیں دیتیں اس لئے بغیر اخذ وانتخاب اور بغیر احتیاط و امتیاز ''ملفوظ الصفر'' کی اولین دو مجالس کے فارسی متن مع تراجم صرف اس لئے پیش کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ قارئین کرام ترجمہ کی صحت اور اُس کے سقم کا خود ہی اندازہ لگالیں گے اور میرے بیان وخیال کی تائید وتردید میں کسی تذبذب اور تشکک کے شکار نہیں ہوں گے۔

مجلس - ۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ
مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ اَجْمَعِیْنَ ٥

حضرت مخدوم عظمہ اللہ تعالیٰ کا عہد پاک ہے۔ ۲۳؍صفر ختم اللہ بالخیر والظفر ۶۲ ےھ اتوار کی رات کو مغرب کی نماز کے بعد عشاء سے پہلے آستانۂ عالیہ کی خاک بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ عَلٰی ذَالِک ٥

چھ مہینے سولہ دن بلاد شرقیہ کے سفر پر رہا، واپس آکر یہ بیچارہ اپنے شفقت مآب پیر بزرگوار حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ و متع اللہ المسلمین بطول بقائہٖ کی زیارت سے مشرف ہوا، حضرت نے فیروز شاہ خلد اللہ ملکہٗ کی قہر ڈھانے والی فوج سے بلاد شرقیہ کی عوام پر جو کچھ گذر رہی ہے کے متعلق چند باتیں دریافت کیں۔ اس کے بعد فرمایا، اس وقت اپنے گھر جاؤ۔ یہ بیچارہ قدم بوس ہوا اور اپنے گھر چلا آیا۔

مجلس - ۲

۲۳ رصفر ختم اللہ بالخیر والظفر اتوار کے دن آستانہ بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت مخدوم عظمہ اللہ اس روز ندی کے کنارے تشریف لے گئے تھے۔ احباب مریدان اور غلامان ساتھ تھے، خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ کا دیوان بھی موجود تھا، اس بیچارے کو پڑھنے کا حکم ہوا۔ جب اس شعر پر پہنچا جس کا مضمون تھا کہ ___ ’’جو دوست کی یاد کے ساتھ زندہ ہے اس کو موت نہیں‘‘ ___

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا ___ موت تو اس کے لئے ہے جو خدا کی یاد کے ساتھ زندہ نہیں ہے، اور جس کی زندگی اللہ کی یاد میں گذر رہی ہے اس کے لئے موت اور فوت کہاں۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ___ عوام تو یہ سمجھتی ہے کہ جب تک روح باقی ہے زندگی ہے اور جب روح نکل گئی موت واقع ہوگئی۔ حالانکہ یہ حیات و موت، حیاتِ صغیر اور موتِ صغیر ہے۔ لیکن خواص کے نزدیک حیات، موت کو قطع کرنے والی ہوتی ہے۔ موت ایسی حیات کی ضد ہے جو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ زندہ ہے وہ دوسری چیزوں سے مردہ ہوتی ہے مَن اَرَادَ اَن یَّنظُرُ اِلیٰ مَیتٍ یَمشِی عَلیٰ وَجہِ الاَرضِ فَلیَنظُرُ اَلیٰ اِبنِ قحافه (جو روئے زمین پر چلتے پھرتے مردے کو دیکھنا چاہتا ہے وہ ابنِ قحافہ یعنی ابوبکر صدیق کو دیکھے) میں اسی راز کو بتایا گیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ___ یہ حدیث اَلَا اِنَّ اَولِیَاءَ اللّٰہ لَا یَمُوتُونَ بَل یَنقُلُونَ مِن دَارٍ اِلیٰ دَارٍ (بے شک اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ وہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوجاتے ہیں) ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے اور یہاں ملک الموت کا کوئی کام نہیں۔ پھر یہ مصرعہ پڑھا ؎

کانجا ملک الموت نه گنجد هرگز

اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ ___ خواجہ ابوتراب نخشبیؒ نے جنگل میں کھڑے کھڑے جان جاں آفریں کے سپرد کردی اور اسی طرح آخر تک کھڑے رہ گئے جس طرح زندگی میں کھڑے رہتے۔ مسافروں کی جب اس جنگل سے گذر ہوتی تو دور ہی سے آپ کی زیارت کرتے، ہیبت کے مارے کسی کو بھی آپ کے قریب آنے کی ہمت نہیں ہوتی۔

پھر یہ خاکسار دیوان عطار پڑھنے میں مشغول ہوگیا، جب اس شعر پر پہنچا جس کا مفہوم تھا ___ جو کوئی دوسروں کی عیب جوئی کرتا ہے وہ اپنے عیب سے غافل ہے اور اس کی نظر اپنی برائیوں پر نہیں ہوتی۔

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا ___ جس کی نظر اپنی برائیوں پر نہیں ہوتی وہی دوسروں کے عیوب پر نظر رکھتا ہے۔ پیری مریدی کا طریقہ اسی مقصد سے رکھا گیا ہے کہ پیر جب مرید کی برائیوں سے باخبر ہوگا تو مرید سے ان برائیوں کو نکال دے گا اور کمالات سے اس کو متصف کردے گا۔ اگر کوئی اپنی خودی میں برسہا برس گم رہتے ہوئے نفس کی برائیوں کو اپنے آپ سے دور کرنا چاہے تو ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ اسی وقت ہوگا جب اپنے کو کسی شیخ کے قدموں میں ڈال دے اور وہ شیخ اس مرید کی برائیوں کو اس سے دور کردے۔ اسی لئے کہا گیا ہے اَلشَّیخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیُّ فِیْ اُمَّتِہٖ (شیخ اپنی قوم میں اسی طرح ہے جس طرح نبی اپنی امت میں) امت اگر چاہے کہ پیغمبر کے بغیر دین کی راہ طے کرلے اور قوم اگر چاہے کہ شیخ کے بغیر اس راہ میں قدم رکھ لے تو جس طرح وہ محال ہے اُسی طرح یہ بھی محال ہے۔

ہاں! یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فیضِ منقطع نہیں ہے، تو یہ شاذ و نادر ہے۔ (یعنی فیض کے ذریعے بھی اصلاح ہوتی ہے لیکن ایسا بہت کم دیکھنے میں آتا ہے........ مترجم)

مشاہدہ اور معائنہ سے بھی یہی ثابت ہے کہ پیروں سے تعلق پیدا کرنے کے بعد ہی کمالات تک رسائی ہوتی ہے اور یہی سُنَّتِ الٰہی بھی ہے۔

پیشِ نظر دونوں مجلسوں کے فارسی متن اوران کے تراجم کے سرسری جائزہ سے یہ حقیقت پوری صراحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ مترجم نے اپنے مخصوص تہذیبی گروہ کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی تفہیمی صلاحیتوں کے عین مطابق ترجمہ کو عام فہم، سہل اور خوبصورت بنا کر پیش کرنے کی کامیاب کوششیں کی ہیں مثلاً پہلی مجلس کے سب سے پہلے جملہ "وقت پاک بندگی مخدوم عظمۃ اللہ" کا نہایت آسان، عام فہم اور مختصر سا خوبصورت ترجمہ یہ کردیا کہ "حضرت مخدوم عظمہ اللہ تعالیٰ کا عہدِ پاک ہے" اسی طرح آگے چل کے لکھے گئے "بین العشائین" کا لفظی ترجمہ "دوعشاؤں کے درمیان" ہوتا ہے، ظاہر ہے "عشائین" یعنی دوعشاؤں کا مطلب عام یا کم تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے ایک حدتک بعیداز فہم ہوسکتا تھا لیکن مولانا نے اپنی فنکارانہ ہنرمندی سے "بعد از نماز شام بین العشانین" کا سیدھا سادہ ترجمہ "مغرب کی نماز کے بعد عشاء سے پہلے" کرکے قارئین کو پیش آنے والی ممکنہ دشواریوں کا قبل از وقت ازالہ کردیا اور معنی ومفہوم کو بے حدواضح اور آسان بنادیا پھر "اثنی ستین سبعمائتہ" کا بغیر کسی اعراب کے مرکب طرزِ تحریر یعنی دولفظوں کو باہم مربوط ومدغم کرکے لکھا گیا جملہ بھی اپنی قرأت میں مشکلیں پیدا کر سکتا تھا اس لئے کہ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ کے مخطوطہ کی جو عکسی کاپی میرے سامنے ہے میں "اثنیٰ" کے "نی" کے اوپر کھڑا الف نہیں ہے کہ آدمی اسے "اثنا" پڑھ لے اور "سبع" اور "مائتہ" جیسے دوالگ الگ لفظوں کو باہم ایک کرکے یوں تحریر کیا گیا ہے کہ غیر عربی داں سے اُسے صحیح طور پر پڑھ لینے کی ہی امید نہیں کی جاسکتی ترجمہ تو دور کی بات ہے مگر مولانا کی فطری ذہانت اور عربی زبان کی عمدہ صلاحیت بہ یک جست ایسے تمام مرحلوں کو طئے کرلیتی اور وہ آسانی کے ساتھ ٧٦٢ھ لکھتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں-------- مجلس اول کی طرح مجلس دوم میں بھی متن خوانی کی دشواریاں سامنے آتیں ہیں، عربی متن کی قرأت کی مشکلیں مجلس اول کے ضمن میں بیان ہوچکیں اب دوسری مجلس میں فارسی متن خوانی کی دشواریاں ذرا ملاحظہ ہوں کہ آج درج ذیل الفاظ حسب ذیل انداز میں لکھے جارہے ہیں مثلاً

بےچارہ - ہم چناں - نمی تواند - دیگرے را اور نہ تواند وغیرہ

جب کہ یہی الفاظ عہدِ ماضی میں باہمی اتصال کے ساتھ بیچارہ - ہمچناں - نمیتواند - دیگریرا اور نتواند کے انداز میں لکھے جاتے تھے۔اب آج کا قاری یا مترجم ماضی کے اس انداز تحریر سے لاعلم ہوکرانہیں پڑھنا چاہے تو یقیناً ذہنی الجھنوں کا احتمال فزوں تر ہو جائے گا۔پھرایک بات یہ بھی ہے کہ عربی زبان کے بغیر اعراب والے جملے اور ٹکڑے اس دوسری مجلس میں بھی تواتر کے ساتھ آئے ہیں جن کے محض ترجمہ پر مترجم نے اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس پر حسب قواعد اعراب ڈال کے قارئین کے لئے قرأت کی راہ آسان تر کردی ہے اور اس پر بھی مستزاد یہ کہ ''ملفوظ الصفر'' فارسی، میں مجالس کا اہتمام نہیں تھا جس کی وجہ کر مطالب و مفاہیم کے باہم گڈمڈ ہونے کا شائبہ موجود رہتا تھا، مترجم محترم نے قارئین کی سہولت کے لئے مجالس کا التزام کر کے دو مختلف گفتگو و مضامین میں تفریق کی عمدہ صورت پیدا کی اور کتاب کو صوری اعتبار سے بھی زیادہ دلچسپ اور پر کشش بنا دیا لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ مترجم نے فنی رموز و نکات سے آگہی کی بنا پر ترجمہ نگاری کے ہمہ جہت مطالبات کی تکمیل میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا اور ترجمہ نگاری کی تمام دشوار گذار راہوں سے بڑی خوبصورتی اور بہت سلامت روی کے ساتھ گذرتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچنے میں کامیابی حاصل کرلی اب یہاں یہ صراحت بھی بے جا نہیں کہ مولانا ڈاکٹر علی ارشد شرفی کی ترجمہ نگاری کی یہ خصوصیت محض ان کے ''ملفوظ الصفر'' کے ترجمہ کے ساتھ مختص نہیں۔ان کے تمام تراجم یکساں طور پر انہیں خصوصیات کے حامل ہیں اور مولانا نے ہر ترجمہ میں بڑی دیدہ ریزی و جانکاہی اور بہت مشقت و عرق ریزی سے کام لیا ہے یہی وجہ ہے کہ پروفیسر وہاب اشرفی نے اپنے مضمون (بہ عنوان ''اسلامی نشاۃ ثانیہ اور بہار کا اردو ادب (پس منظر و پیش منظر)'' مطبوعہ ''مریخ''، پٹنہ۔مارچ-اپریل ۲۰۰۱ء صفحہ ۱۳'') میں مولانا کی ترجمہ کردہ ایک دوسری کتاب ''خوان پر نعمت'' کا ذکر خیر کیا اور بجا طور پر اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ-----

> ''خوان پر نعمت'' کا ترجمہ ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی فردوسی نے بڑی محنت سے کیا ہے، کتاب چھپ گئی ہے۔دوسری کتابیں بھی ترجمہ ہو چکی ہیں یا ہو رہی ہیں۔نئی نسل جو عربی و فارسی سے ناآشنا ہوتی جارہی ہے اس کے لئے یہ ترجمے مشعل راہ ثابت ہوں گے۔''

مولانا کی ترجمہ نگاری کے سرسری جائزہ سے جو باتیں سامنے آئیں انہیں بس اجمالاً یہاں بیان کر دیا گیا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ فن ترجمہ نگاری کا کوئی فاضل نقاد مکمل تحلیل و تجزیہ کے بعد اپنی ناقدانہ رائے کا اظہار کرے گا تو ترجمہ کے اوصاف اپنے تمام تر خدوخال کے ساتھ اور بھی واضح ہو کے سب کے سامنے آجائیں گے اور جملہ محاسن و معائب کے ایماندارانہ بیان کے ذریعہ ترجمہ کے قدر و معیار کا صحیح تعین بھی ممکن ہو سکے گا۔

ترجمہ کے فنی مباحث سے قطع نظر اگر کتاب (ملفوظ الصفر) کی معنوی قدر و قیمت کی بات کی جائے تو کہنا ہوگا کہ مولانا نے اپنے تراجم کے ذریعہ عظیم دینی و علمی کارنامے انجام دیے ہیں اس لئے کہ اپنے ترجمہ کے لئے انہوں نے جن شہ پاروں کا انتخاب کیا ہے وہ کچھ عمومی نوعیت کے نہ ہو کے خصوصی اہمیت کے حامل ہیں کہ مذہب و حکمت پر مبنی اس نوعیت کی دیگر کتابوں کی طرح خود ''ملفوظ الصفر'' بھی علوم شریعت و طریقت، بیانِ معرفت و حقیقت اور تذکرۂ فرض و سنت سے بالکل بھری پڑی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان جیسی کتابوں کے سلسلے میں پروفیسر وہاب اشرفی جیسے نقاد کو بھی اپنے متذکرہ مضمون میں بھی یہ کہنا پڑا ہے کہ----

> ''انہیں کتاب نہ کہیے۔ یہ علم و عرفان کے بیش بہا خزانے ہیں، علوم شریعت و طریقت کا بحر بیکراں ہیں، رشد و ہدایت کی شمع ہیں، تبلیغِ دین کا مؤثر آلہ ہیں، تعلیمِ دین اور اصلاح امت کا سرچشمہ ہیں۔''

مگر ان سب کے باوجود ایک سوال جو بے حد اہم ہے اور ذہن کو مستقل کچوکے لگاتا ہے وہ یہ ہے کہ-----

☆ ستائش کی تمنا اور صلہ کی پروا کئے بغیر پورے خلوص اور لگن کے ساتھ مولانا کی کئی عشروں پر محیط ترجمہ نگاری، علم و ادب کی بہترین آبیاری، دین و دانش کی عمدہ ضیاباری اور بزرگان دین و صوفیائے کرام سے ان کی حقیقی و عملی وفا شعاری کے باوجود اہل دنیا نے آخر ان کی کہاں اور کیسی پذیرائی کی؟

☆ اردو اکاڈمی سے لے کر ساہتیہ اکاڈمی نے انہیں کب پلٹ کے دیکھا؟

☆ سماجی تنظیموں اور ادبی انجمنوں نے انہیں کس انعام کا مستحق جانا؟

☆ یا پھر کردار و عمل کی زندہ مثال اور زبان و ادب کے اس مثالی استاذ کو کس ریاستی یا مرکزی حکومت نے کسی اعزاز کے لائق سمجھا؟

ظاہر ہے ان تمام سوالات کے جوابات نفی میں ہیں اور نفی کی یہ صورت یا تو مولانا کے کارناموں کی بے وقعتی کو سامنے لاتی ہے یا اہل نظر اور صاحب صفا سمجھے جانے والے ارباب حل وعقد کی کور چشمی کو نشان زد کرتے ہوئے میر انیس کے لفظوں میں یہ کہنے پر مجبور کرتی ہے کہ۔

عالم ہے مکدر کوئی دل صاف نہیں ہے
اس عہد میں سب کچھ ہے پر انصاف نہیں ہے

انصاف کا گلا ہمیشہ اور ہر زمانہ میں گھونٹا گیا ہے اور اس کی تاریخ و روایت بہت قدیم ہے تب ہی تو جہاں حافظ شیرازی نے۔

اسپ تازی شدہ مجروح بہ زیرِ پالاں
طوقِ زریں ہمہ در گردنِ خر می بینم

کہہ کے اپنی قلبی بیزاری کا اظہار کیا وہیں حضرت جوش ملیح آبادی نے مردمانِ زمانہ کی ناسپاسی اور اپنی انتہائی دل برداشتگی کے نتیجہ میں یہ رباعی کہہ ڈالی کہ۔

اک فتنہ ہے ناقصوں میں کامل ہونا ☆ اک قہر ہے وابستۂ منزل ہونا
تاریخ کے اوراق جو اُلٹے تو کھلا ☆ اب جرم ہے احمقوں میں عاقل ہونا

ویسے بھی انعام و اکرام اور اعزاز و ایوارڈ کے حصول کے لئے فی زمانہ رائج و روا رکھی جانے والی چالاکیوں اور شعبدہ بازیوں سے مولانا کا جب کچھ رشتہ نہیں تو پھر امید کیسی ---؟

اور یوں بھی ”جزا“ کی امید تو بس مالک روزِ جزا سے ہی رکھنی چاہئے اس لئے مخلص و منصف قارئین مولانا کے حق میں اتنا تو ضرور ہی کہہ سکتے ہیں کہ ”فجزاک اللّٰہ خیراً جزاء“۔

خاکسار

ارشد استھانوی

(سید محمد ارشد عالم، پرنسپل صغریٰ ہائی اسکول + انٹر کالج، بہار شریف، نالندہ)

رابطہ : 09934719753

انتساب

پیرو مرشد جدی و مخدومی حضرت سید شاہ نقی مظہر

المعروف بہ

محمد ابراہیم حسین فردوسی قدس اللہ سرہٗ

کے نام

جن کے ۵۰ سالہ عرس مبارک

کے موقع پر اس کتاب کی اشاعت و اجراء کی

سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ اور جن کی ذاتِ

گرامی اس فقیر کے لئے وجہ نجات ہے۔

بشاہِ نقی مظہرِ نورِ ذات
براہیم نامش وسیلۂ نجات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ اَجْمَعِیْنَ ہ

مجلس - ۱

حضرت مخدوم عظمہ اللہ تعالیٰ کا عہد پاک ہے۔ ۲۳ رصفر ختم اللہ بالخیر والظفر ۶۲ ھ اتوار کی رات کو مغرب کی نماز کے بعد عشاء سے پہلے آستانہ عالیہ کی خاک بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ ہ

چھ مہینے سولہ دن بلاد شرقیہ کے سفر پر رہا، واپس آکر یہ بیچارہ اپنے شفقت مآب پیر بزرگوار حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ و متع اللہ المسلمین بطول بقائہٖ کی زیارت سے مشرف ہوا، حضرت نے فیروز شاہ خلد اللہ ملکہٗ کی قہر ڈھانے والی فوج سے بلاد شرقیہ کی عوام پر جو کچھ گذر رہی ہے کے متعلق چند باتیں دریافت کیں۔ اس کے بعد فرمایا، اس وقت اپنے گھر جاؤ۔ یہ بیچارہ قدم بوس ہوا اور اپنے گھر چلا آیا۔

مجلس - ۲

۲۳ رصفر ختم اللہ بالخیر والظفر اتوار کے دن آستانہ بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضرت مخدوم عظمہ اللہ اس روز ندی کے کنارے تشریف لے گئے تھے۔ احباب مریدان اور

غلامان ساتھ تھے، خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ کا دیوان بھی موجود تھا، اس بیچارے کو پڑھنے کا حکم ہوا۔ جب اس شعر پر پہنچا جس کا مضمون تھا کہ ــــ "جو دوست کی یاد کے ساتھ زندہ ہے اس کو موت نہیں" ــــ

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا ــــ موت تو اس کے لئے ہے جو خدا کی یاد کے ساتھ زندہ نہیں ہے، اور جس کی زندگی اللہ کی یاد میں گذر رہی ہے اس کے لئے موت اور فوت کہاں۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ــــ عوام تو یہ سمجھتی ہے کہ جب تک روح باقی ہے زندگی ہے اور جب روح نکل گئی موت واقع ہوگئی۔ حالانکہ یہ حیات وموت، حیاتِ صغیر اور موتِ صغیر ہے۔ لیکن خواص کے نزدیک حیات، موت کو قطع کرنے والی ہوتی ہے۔ موت ایسی حیات کی ضد ہے جو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ زندہ ہے وہ دوسری چیزوں سے مردہ ہوتی ہے مَنْ اَرَادَ اَنْ یَنْظُرُ اِلیٰ مَیتٍ یَمْشِی عَلیٰ وَجْہِ الْاَرْضِ فَلْیَنظُرُ اَلی اِبْنِ قحافہ (جو روئے زمین پر چلتے پھرتے مردے کو دیکھنا چاہتا ہے وہ ابنِ قحافہ یعنی ابو بکر صدیق کو دیکھے) میں اسی راز کو بتایا گیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ــــ یہ حدیث اَلا اِنَّ اَوْلِیاءَ اللّٰہ لَا یَمُوْتُونَ بَلْ یَنْقُلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلیٰ دَارٍ (بے شک اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ وہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوجاتے ہیں) ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے اور یہاں ملک الموت کا کوئی کام نہیں۔ پھر یہ مصرعہ پڑھا۔

کانجا ملک الموت نہ گنجد ہرگز

اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ ــــ خواجہ ابو تراب نخشبیؒ نے جنگل میں کھڑے کھڑے جان جاں آفریں کے سپرد کردی اور اسی طرح آخر تک کھڑے رہ گئے جس طرح زندگی میں کھڑے رہتے۔ مسافروں کی جب اس جنگل سے گذر ہوتی تو دور ہی سے آپ کی زیارت کرتے، ہیبت کے مارے کسی کو بھی آپ کے قریب آنے کی ہمت نہیں ہوتی۔

پھر یہ خاکسار دیوان عطار پڑھنے میں مشغول ہوگیا، جب اس شعر پر پہنچا جس کا

مفہوم تھا ___ جو کوئی دوسروں کی عیب جوئی کرتا ہے وہ اپنے عیب سے غافل ہے اور اس کی نظر اپنی برائیوں پر نہیں ہوتی۔

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا ___ جس کی نظر اپنی برائیوں پر نہیں ہوتی وہی دوسروں کے عیوب پر نظر رکھتا ہے۔ پیری مریدی کا طریقہ اسی مقصد سے رکھا گیا ہے کہ پیر جب مرید کی برائیوں سے باخبر ہوگا تو مرید سے ان برائیوں کو نکال دے گا اور کمالات سے اس کو متصف کردے گا۔ اگر کوئی اپنی خودی میں برسہابرس گم رہتے ہوئے نفس کی برائیوں کو اپنے آپ سے دور کرنا چاہے تو ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ اسی وقت ہوگا جب اپنے کو کسی شیخ کے قدموں میں ڈال دے اور وہ شیخ اس مرید کی برائیوں کو اس سے دور کردے۔ اسی لئے کہا گیا ہے اَلشَّیخُ فِی قَومِہٖ کَالنَّبِیُّ فِیْ اُمَّتِہٖ (شیخ اپنی قوم میں اسی طرح ہے جس طرح نبی اپنی امت میں) امت اگر چاہے کہ پیغمبر کے بغیر دین کی راہ طے کرلے اور قوم اگر چاہے کہ شیخ کے بغیر اس راہ میں قدم رکھ لے تو جس طرح وہ محال ہے اُسی طرح یہ بھی محال ہے۔

ہاں! یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فیض[1] منقطع نہیں ہے، تو یہ شاذ و نادر ہے۔ (یعنی فیض کے ذریعے بھی اصلاح ہوتی ہے لیکن ایسا بہت کم دیکھنے میں آتا ہے .... مترجم) مشاہدہ اور معائنہ سے بھی یہی ثابت ہے کہ پیروں سے تعلق پیدا کرنے کے بعد ہی کمالات تک رسائی ہوتی ہے اور یہی سُنّتِ الٰہی بھی ہے۔

مجلس - ۳

۲۴ صفر ختمہ بالخیر والظفر سوموار کے دن آستانہ بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ خواجہ نصیر الدین دیوالی، مولانا نظام الدین، مولانا معز الدین اور چند دوسرے مریدان حاضر تھے۔

شیخ معز الدین دام تقواہ نے عرض کیا ــــ تفسیر میں آیا ہے کہ جو فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے گا اس کو یہ سب فضیلتیں حاصل ہوں گی۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا فرض نماز سے متصلاً پڑھی جائے، اس کے متعلق کیا حکم ہوتا ہے؟

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا ــــ وہ دعائیں اور قرآنی آئتیں جو فرض نمازوں کے بعد پڑھنے کو بتائی گئی ہیں اس سلسلے میں پہلے یہ جاننا ہے کہ بعض فرض نمازیں وہ ہیں جن کے بعد سنت نمازیں بھی پڑھنی ہیں اور بعض وہ ہیں جن کے بعد سنت نہیں ہیں۔ وہ فرض نمازیں جن کے بعد سنت بھی ہیں اس فرض اور سنت کے درمیان کسی چیز کی وجہ سے فصل یعنی تاخیر نہیں کی جائے، بلکہ فرض پڑھنے کے بعد فوراً اٹھ جائیں اور سنت کی ادئیگی کریں، اس کے بعد آیتہ الکرسی یا اور جو چیزیں فرض کے بعد پڑھنے کی ہیں ان کو پڑھیں، ہاں! وہ گنتی کے چند کلمے[2] جو حضرت بی بی عائشہؓ سے مروی ہیں اور جن کو رسول اکرم ﷺ فرض نمازوں کے بعد پڑھا کرتے تھے ان کو پڑھیں۔ قیاس تو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ جب فرض اور سنت کے درمیان فصل یعنی تاخیر نہیں ہونی چاہئے تو پھر اتنی مقدار میں بھی فصل نہیں ہو، اور وہ چند کلمات پڑھنے سے تاخیر لازم آتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب نقل (حدیث) سے یہ بات ثابت ہے تو صرف اتنی ہی مقدار میں تاخیر کی جائے اس سے زیادہ کی نہیں، اور آیۃ الکرسی تو ایک بڑی آیت ہے۔

آیۃ الکرسی سے متعلق بہت ساری احادیث موجود ہیں کہ جو فرض نماز کے بعد اس کو پڑھتا ہے اس کے اور جنت کے درمیان موت کے سوا اور کوئی چیز حائل نہیں ہوتی لَمْ یَبْقَ بَیْنَہٗ وَ بَیْنَ الْجَنَّۃِ اِلَّا الْمَوْتِ ٥

اس کے بعد فرمایا ــــ تفسیر میں آیا ہے کہ جو شخص آیۃ الکرسی پڑھ کر اس کا ثواب مسلمان مُردوں کو بخش دیتا ہے اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے عہد سے اِس زمانے تک جتنے اہلِ اسلام دنیا سے رخصت ہوئے سب کی قبر میں چالیس (۴۰) نور عنایت فرمائے گا، اس

کے پڑھنے والے کو چھ پیغمبروں کا ثواب عطا کرے گا اور آیۃ الکرسی میں جتنے حروف ہیں اتنے فرشتے پیدا کرے گا جو تسبیح و تہلیل کریں گے اور فرشتوں کی اس تسبیح و تہلیل کا ثواب پڑھنے والے کے نامۂ اعمال میں درج فرمائے گا۔

شیخ معز الدین نے عرض کیا ـــــ فرض کے بعد جو سنتیں ہیں اگر ان سنت نمازوں میں آیۃ الکرسی پڑھ لی جائے تو اس کا شمار ہوگا کہ نہیں؟ (یعنی سنت نماز میں آیۃ الکرسی کا پڑھنا فرض نماز کے بعد جو آیۃ الکرسی پڑھنے کی فضیلت ہے اس کا قایم مقام ہوگا یا نہیں؟........ مترجم)

حضرت مخدومؒ نے فرمایا ـــــ اس کا شمار نہیں ہوگا اس لئے کہ اس کی حیثیت قرأت کی ہوگی، ہر نماز کے لئے قرأت ہے، سنت میں اگر آیۃ الکرسی پڑھی گئی تو وہ دراصل نماز میں قرأت کی گئی اور قرأت کے ارادے سے پڑھی گئی نہ کہ اس ارادے سے پڑھی گئی کہ ہم فرض نماز کے بعد جو آیۃ الکرسی پڑھنے کا حکم ہے وہ پڑھ رہے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ ـــــ سورتوں اور آیتوں کے پڑھنے کی جو فضیلتیں بیان کی گئی ہیں جب لوگ ان کو پڑھتے ہیں تو یہی سمجھتے ہیں کہ کوئی بھی دوزخ میں نہیں جائے گا، لیکن جب ان کی نظر وعید یعنی سزا والی آیتوں پر پڑتی ہے تو پھر اس وقت سمجھتے ہیں کہ کوئی بھی جنت کا منہ نہیں دیکھے گا۔ اس بات میں اسی دو نظر کی طرف اشارہ ہے جو حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ میری امید کا یہ حال ہے کہ اگر کل قیامت کے دن یہ اعلان کر دیا جائے کہ صرف ایک شخص جنت میں داخل کیا جائے گا تو میں سمجھوں گا کہ وہ شخص میں ہی ہوں، اور میرے خوف کا یہ عالم ہے کہ اگر کل قیامت کے دن یہ اعلان ہو کہ صرف ایک شخص دوزخ میں بھیجا جائے گا تو میں سمجھوں گا کہ وہ میں ہی ہوں۔

خواجہ نصیر الدین دیوالی نے عرض کیا اَلشَّیخ یُحیِی وَ یُمِیتُ[۳] (شیخ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے) اس قول کا کیا معنی ہے؟

حضرت مخدوم نے فرمایا ـــــ حیات و موت جس طرح ظاہری ہے اسی طرح معنوی

بھی ہے۔ یہاں بھی معنوی ہی حیات وموت پر محمول کریں گے، جیسا کہ کہتے ہیں الکفر موت والایمان حیات (کفر موت ہے اور ایمان زندگی) لہٰذا اگر کسی نے کسی کو کفر سے نکال کر ایمان میں داخل کردیا تو گویا اس شخص کو ایمان کے ساتھ زندہ کردیا اور کفر کے ساتھ جو وہ زندہ تھا اس سے مردہ کردیا۔ اسی طرح کہتے ہیں المعصیة موت والطاعة حیات (گنہگاری موت ہے اور بندگی حیات) اگر کسی کو معصیت سے نکال کر طاعت میں داخل کردیا تو گویا طاعت و بندگی کے ساتھ زندہ کردیا اور گناہ کے ساتھ جو اس کی زندگی تھی اس سے مردہ کردیا۔ اسی طرح کہتے ہیں الجھل موت والعلم حیات (جہل موت ہے اور علم زندگی) اگر کسی کو جہالت سے نکال کر علم میں داخل کردیا تو گویا اس کو علم کے ساتھ زندہ کردیا اور جہالت کے ساتھ جو اس کی زندگی تھی اس سے مردہ کردیا۔

پھر خواجہ نصیر الدین مذکور نے عرض کیا ___ بعض مشائخ کے بارے میں یہ روایت ملتی ہے کہ انہوں نے مردہ کو زندہ کردیا ہے اور اسی کے برعکس زندہ کو مردہ بنادیا ہے۔

حضرت مخدوم نے فرمایا ___ یہ تو درجۂ ولایت کے کمالات کا معاملہ ہے۔ ولی جب کمالِ ولایت کو پالیتا ہے تو اس سے اس طرح کے کمالات کا ظہور ہونے لگتا ہے اور یہ بے اصل بات نہیں ہے۔ جس طرح انبیاء کے معجزے کا جواز ہے اسی طرح اولیاء کے لئے کرامت جائز ہے۔ مردے کو زندہ کرنا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ رہا۔ لہٰذا اولیاء کے لئے کرامت ممکن ہے۔ لیکن یہاں پر مارنے اور زندہ کرنے کی جو اضافت شیخ کی طرف کی گئی ہے وہ معنی کے اعتبار سے ہے۔

فرمایا کہ مجموع الصابرین میں اس کے مصنف نے آٹھ معنوی بہشت کو بیان کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ نویں بہشت کی بھی خبر دی گئی ہے۔ (یہ جملہ سیاق وسباق سے ہٹ کر ہے، ایسا لگتا ہے کہ حاضرین میں سے کسی نے جنت سے متعلق کچھ سوال کیا ہو اور حضرت مخدوم

ان کے سوال کا مختصر جواب دے کر پھر اپنے موضوع پر چلے آئے.......... مترجم)

فرمایا___ ایک جماعت کہتی ہے اولیا کا ایک گروہ ایسا ہے کہ وہ جو چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو پورا کر دیتا ہے اور جو چاہتے ہیں وہ ہو جاتا ہے، ان کا علم درجۂ کمال پر ہوتا ہے، اور ان کی ہمت بھی درجۂ کمال پر ہوتی ہے، ان کی ساری مرادیں ان کو حاصل رہتی ہیں، اور ان کی خواہش کی تکمیل فوراً ہوتی ہے، مثلاً اگر چاہتے ہیں کہ بارش ہو فوراً بارش ہونے لگتی ہے اگر چاہتے ہیں کہ بارش رک جائے اسی وقت رک جاتی ہے، اگر چاہتے کہ کوئی بیمار پڑ جائے اسی وقت وہ بیمار ہو جاتا ہے اور اگر چاہتے ہیں کہ بیمار کو صحت ہو جائے اسی وقت وہ صحت یاب ہو جاتا ہے، تمام کاموں میں ان کا یہی حال ہوتا ہے۔ اور کہنے والے نے یہ بھی کہا ہے کہ اس طرح کی باتیں سننے میں تو آتی ہیں مگر اپنے میں نہیں پاتا ہوں۔

مجلس - ۴

۲۵ رصفر منگل کی رات کو آستانۂ عالیہ کی خاک بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ قاضی اشرف الدین اور مولانا نظام الدین عشاء کی نماز سے پہلے اندرونی حجرے میں حاضر تھے۔ قاضی اشرف الدین کے بھانجے کا انتقال ہو گیا تھا اور وہ تعزیت کے لئے گئے تھے، دو تین روز کے بعد واپس آکر قدم بوسی کے لئے حاضر ہوئے۔

حضرت مخدوم عظمہ اللہ قاضی اشرف الدین کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا یہ کون سی عادت اختیار کی ہے کہ عورتوں کی طرح باتیں کر رہے تھے۔ اس کے بعد تعزیت کا معنی بتایا کہ___ جہاں کوئی حادثہ ہو جائے وہاں جا کر غمزدہ افراد کو صبر کی تلقین کی جائے اور دریافتِ حال کیا جائے۔ بستان ابو اللیث میں ہے کہ جس پر غم ٹوٹتا ہے اس کی تعزیت کی جائے اس کا ثواب

ہے۔اور حدیث شریف میں ہے کہ ایک مومن پر دوسرے مومن کا یہ حق بنتا ہے کہ جب کسی مومن پر مصیبت آئے تو اُس کی تعزیت کی جائے۔

خاکسار نے عرض کیا___ جس طرح تیسرے روز قبرستان میں جا کر اور حلقہ کر کے قرآن پڑھنے کی رسم رائج ہے اور جس کو بعض لوگ بدعت کہتے ہیں کیا اسی طرح گھر میں بھی بیٹھنا بدعت ہے یا نہیں؟

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ___ بستان ابو اللیث[5] میں لکھا ہے کہ اس طرح گھر میں بیٹھ کر پڑھنے میں کوئی ہرج نہیں ہے، کر سکتے ہیں لیکن نہ کیا جائے تو بہتر ہے۔ اَلنَّوح حَرَامٌ وَلَا بَاسَ بِالْبُکَاءِ وَالصَّبْرُ اَفْضَل بین کرنا حرام ہے رونے میں کوئی ہرج نہیں اور صبر سب سے افضل ہے۔

منقول ہے کہ جب حضرت جعفر بن ابی طالب، حضرت زید بن حارث اور حضرت عبداللہ بن رواحہ ﷺ کی شہادت کی خبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ مسجد میں بیٹھ گئے۔ لوگ آتے گئے اور تعزیت کرتے گئے۔

مجلس - ۵

۲۵ رصفر ختم اللہ بالخیر والظفر ۷۶۲ھ منگل کے دن آستانۂ عالیہ کی خاک بوسی کی سعادت میسر ہوئی۔ ملک نظام بدر آبادی کے صاحب زادے ملک علاء الدین مجلس شریف میں حاضر تھے۔ اپنی بداعمالیوں کا حال بیان کرنے لگے اور کہنے لگے کہ___ میں ایسا گنہگار و بدکار ہوں کہ بس حضور ہی کی ذات بابرکات سے نجات کی امید ہے، اگر حضور اپنے اوصاف کریمانہ سے ایک نگاہ ڈال دیں تو نجات ہو جائے۔

ان کی باتیں سن کر حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ___ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ بنی اسرائیل میں جو بہترین شخص ہے اس کو پیش کیجئے۔ بنی اسرائیل میں ایک بزرگ شخص تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ آپ بنی اسرائیل میں بہترین شخص ہیں۔

انہوں نے عرض کیا میں بنی اسرائیل کا بہترین شخص کیسے ہو جاؤں گا، اس لئے کہ میں تو مکر وفریب کا شکار ہونے کی وجہ سے بنی اسرائیل کا بدترین شخص ہوں۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام پر پھر وحی آئی کہ بنی اسرائیل کے جس بہترین شخص کو آپ نے پیش کیا اس سے کہئے کہ بنی اسرائیل میں جو بدترین شخص ہے اس کو سامنے لائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس بزرگ تک پیغامِ خداوندی پہنچا دیا۔

انہوں نے تین روز کی مہلت مانگی۔ اور تین روز تک بدترین شخص کی تلاش میں رہے، تین روز کے بعد اپنی گردن میں رسی ڈال کر اور اپنے چہرے کو سیاہ کر کے موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ___ بنی اسرائیل کا سب سے برا آدمی میں ہوں۔

پھر وحی آئی کہ اے موسیٰ! میں نے اسی شخص کو بنی اسرائیل کا بہترین آدمی بنا دیا، اس لئے کہ اس نے اپنے کو بنی اسرائیل کا سب سے برا شخص سمجھا۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ___ بہترین شخص بننے کے لئے یہاں پر یہ شرط لگا دی کہ اپنے کو سب سے برا سمجھے۔ اہلِ معرفت کہتے ہیں کہ ___ اپنے کو لوگوں کی نظر سے گرا دینا تو آسان ہے لیکن مردوہ ہے جو اپنے کو اپنی نظر سے گرا دے، اسی لئے کہتے ہیں کہ خود را بیفگن تا بردارند اپنے کو گرا دو تا کہ اٹھالیں۔ اور یہ بھی منقول ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز جب سجدہ کرتے تو مٹی پر سجدہ کرتے۔

قاضی خاں دامت فضائلہٗ روضۃ الاولاد والنساء پڑھ رہے تھے جب اس

عبارت پر پہنچے کہ اگر کوئی عربی میں کلمۂ ایمان پڑھ لیتا ہے کہ الایمان ان تومن باللہ والملائکتہٖ و کتبہٖ و رسلہٖ والیوم الآخر والقدر خیرہٖ وشرہٖ من اللہ تعالیٰ لیکن وہ فارسی [6] میں اس کے معنی کو نہیں جانتا ہے تو لا یکون مومناً وہ مومن نہیں ہوسکتا۔

خاکسار نے اس موقع پر عرض کیا ___ اس حدیث کا جواب کیا ہوگا جو نبی کریم ﷺ نے فرمایا امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کرتا رہوں جب تک کہ وہ لوگ لا اِلٰہَ اِلا اللہ نہ کہہ لیں)۔

حضرت مخدوم نے فرمایا___ جب اسلام اپنے ابتدائی دور میں تھا تو توحید کے لئے یہی حکم نافذ تھا لیکن پھر آہستہ آہستہ دوسری چیزیں اس میں شامل ہوتی گئیں۔ اور ایسا بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے دنیاوی احکام مراد ہیں، یعنی جب کوئی لا الٰہ الا اللہ کہہ دے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے اس کے مال اور اس کی اولاد کی حفاظت کی جائے، مسلمانی کے تمام احکام اس پر لاگو کئے جائیں۔ لیکن آخرت کے حکم کے مطابق وہ مومن نہیں ہوگا۔ ایسے ایمان کا صرف یہی فائدہ ہے کہ مال و دولت کی حفاظت ہو جاتی ہے اور اولاد قتل ہونے سے محفوظ رہ جاتی ہے۔ اس حدیث امرت ان اقاتل الناس حتی یقولو الا الہ الا اللہ میں اسی طرف اشارہ ہے واللہ اعلم۔

اس کے بعد فرمایا کہ ___ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایمان کے اعتبار سے لوگوں کے تین درجے ہیں۔

(۱) اللہ کے نزدیک مومن ہیں اور لوگوں کے نزدیک کافر؛

یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حق ہونے کو جانتے ہیں، توحید اور دین کے حق ہونے پر اعتقاد رکھتے ہیں اور کفر سے نفرت کرتے ہیں لیکن ظاہراً اقرار نہیں کرتے، ایسے لوگ اللہ کے نزدیک تو مومن ہیں لیکن لوگوں کے نزدیک کافر۔

(۲) اللہ کے نزدیک کافر ہیں اور لوگوں کے نزدیک مومن؛

یہ وہ لوگ ہیں جو زبان سے تو اقرار کرتے ہیں لیکن دل سے تصدیق نہیں کرتے۔

اگرچہ اللہ کے نزدیک کافر ہیں لیکن ان کے ظاہری اسلام پر حکم لاگو کیا جائے گا۔

(۳) اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور سب لوگوں کے نزدیک مومن ہیں؛

یہ وہ لوگ ہیں جو زبان سے اقرار کے ساتھ ساتھ دل سے بھی اعتقاد رکھتے ہیں۔

مجلس - ٦

۲۶ر صفر ختم اللہ بالخیر والظفر ۷۶۲ھ آخری چہار شنبہ کو آستانہ مبارک کی خاک بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس وقت ابو حنیفہ، ابو یزید، خواجہ نصیر الدین دیوالی، فرید چوسہ اور دوسرے مریدان، خدمتگاران، عزیزان اور مسافران خدمت اقدس میں حاضر تھے۔

خواجہ نصیر الدین نے عرض کیا۔ نبی کریم ﷺ کی طبیعت اسی مہینے میں ناساز ہوئی تھی؟

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا___ حدیث میں ہے کہ حجۃ الوداع کے بعد ہی سے مرض شروع ہو گیا تھا مگر اس مہینے میں مرض بڑھ گیا اور آپ ﷺ نے جو فرمایا ہے مَنْ بَشَّرَنِی بِخُرُوجِ الصَّفَر بَشَّرْتُهُ بِدُخُولِ الْجَنَّة (جو مجھے صفر کے نکل جانے کی خوشخبری سنائے گا میں اسے جنت میں داخل ہونے کی بشارت دوں گا) علمائے ظاہر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات مرض کے غلبے کی وجہ سے کہی ہے۔ لیکن اربابِ محبت کہتے ہیں کہ گرچہ اس مہینے میں مرض بڑھ گیا تھا لیکن مرض کے بڑھ جانے کی وجہ سے آپ ﷺ نے ایسا نہیں کہا ہے بلکہ ایسا غلبۂ اشتیاق میں فرمایا ہے۔ اس لئے کہ ماہِ صفر کے گذرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے ملنے کا وعدہ تھا اور آپ ﷺ پر اسی شوقِ ملاقات کا غلبہ تھا، لہٰذا اسی غلبہ شوق میں فرمایا مَنْ بَشَّرَنِی بِخُرُوجِ الصَّفَر بَشَّرْتُهُ بِدُخُولِ الْجَنَّة۔

حضرت مخدوم عظمہ اللہ جب اس گفتگو پر پہنچے فرمایا کہ___ آپ ﷺ نبوت کے جس منصب پر فائز ہیں اس کے لئے یہی بات سب سے زیادہ مناسب اور لائق ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ـــــ ہر کام میں صبر کی تعریف کی گئی ہے مگر عشق میں صبر کہاں، اور معشوقوں کی بارگاہ میں صابروں کی گذر کہاں۔ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو کہا وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى [طٰہٰ ۸۴] (میں نے تیری طرف آنے کی جلدی اس لئے کی کہ تو خوش ہو) وہ اسی مقام کی بات ہے۔

اس حدیث میں بطور جواب فرمایا ہے حبب الیّ مِنْ دُنیاکُم ثُلثٌ اَلطِیبُ وَالنِساءِ وَقُرَّۃُ عَینِی فِی الصَّلٰوۃِ تمہاری دنیا سے ان تین چیزوں کی محبت میرے دل میں ڈال دی گئی ہے خوشبو، عورت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ یہاں جو محبت کا بیان ہے اس سے اصلی محبت مراد نہیں ہے بلکہ یہ مصلحتاً ہے۔ اگر غیر کی محبت آپ ﷺ کے قلب مبارک میں نہ ڈالی جاتی تو دنیا میں کیسے ٹھہراؤ ہوتا اور مخلوق کی زحمت کو کیسے برداشت کرتے۔

آن کہ یکدو قدح بادہ کہ زہرم بادا

گہے از بہر فراموشی غمہات خورم

(میں اپنے غموں کو بھلانے کے لئے کبھی کبھی زہر آلود شراب کا ایک دو جام لے لیتا ہوں)۔

جس کو جیسی محبت ہوگی اس کا شوق ویسا ہی ہوگا۔ اور جب محبوب رب العالمین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سارے محبین کے سردار ہیں تو آپ کے شوق کی بھی کوئی انتہا اور حد نہیں ہو سکتی اور اس غایت و نہایت کو کون سمجھ سکتا ہے۔ ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے علامۃ الشوق حب الموت مع الراحۃ (جب شوق کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کی علامت یہ ہے کہ تمام آرام و عافیت کے ہوتے ہوئے بھی موت سے محبت ہو جاتی ہے)۔ اور کسی دوسرے نے کہا ہے علامت شوق تمنائی مرگ است بر بساطِ عافیت عافیت کے بستر پر رہتے ہوئے موت کی تمنا شوق کی علامت اور پہچان ہے۔ جب یوسف علیہ السلام کوئیں میں ڈالے گئے تو یہ نہیں کہا کہ مجھے موت آجائے اور جب قید خانے میں مقید کئے گئے تو اس وقت بھی موت کی تمنا

نہیں کی لیکن ــــ جیسے ہی والد بزرگوار اور بھائیوں سے ملاقات ہوئی یعنی نعمت تمام کردی گئی ویسے ہی درخواست کی توفنیؑ (مجھے اس دنیا سے اٹھا لیجئے)۔

پھر استعداد کی بات ہونے لگی۔حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ــــ استعداد میں بندہ مجبور ہے اور سعی و کوشش میں مختار۔

اسی درمیان قاضی اشرف الدین نے عرض کیا ــــ استعداد کس کو کہتے ہیں؟

حضرت مخدوم نے فرمایا ــــ استعداد سے وہ قدرت وقوت مراد ہے جس کی وجہ سے بندہ کسی کام کے لائق ہوتا ہے جیسے وضو۔نماز کے لئے وضو کرنا یہ سعی و کوشش ہے ادائیگی نماز کی توفیق کے لئے جو قدرت وقوت ہوتی ہے وہ استعداد ہے، استعداد کے لئے سعی و کوشش علت نہیں ہے یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی کوشش کرے اور اس کے بعد استعداد پیدا ہو۔عبادت کے لئے توفیق کا پیدا ہونا استعداد ہے۔توفیق اور خذلان ایک ہی معنی میں ہے۔ہاں! ان دونوں کے استعمال میں فرق ہے۔توفیق کا استعمال خیر اور حسنات میں ہوتا ہے اور خذلان کا استعمال شر کے لئے۔ الخذل والخذلان توفیق کسی کام کے مناسب ہونے کو کہتے ہیں، لہٰذا اگر کوئی کسی نامناسب کام میں کوشش کرتا ہے تو اس کو ذلیل وخوار سمجھتے ہیں اور اگر کوئی لائقِ تعریف کام انجام دیتا ہے تو اس کی تعریف وتحسین ہوتی ہے۔حالانکہ بندے کے اختیار میں کیا ہے اس نے کیا کیا جو ذلیل ورسوا ہوا اور اس کا کیا کارنامہ تھا جو لائقِ تحسین بنا۔اسی مقام کی بات ہے جو کسی بزرگ نے کہا ہے کہ قضاوقدر کے اسی مسئلے نے مجھے مار ڈالا اور ایک دوسرے درویش نے فرمایا کہ خداوندا! یہی وجہ ہے کہ عدل وصرف (فرائض ونوافل) جو تیری طرف سے میرے لئے طاعت و فرماں برداری ہے وہ میرے لئے اس بات کی دلیل ہے کہ تو نے مجھے طاعت کا حکم دیا لیکن اس پر قایم نہیں رکھا اور معصیت سے منع کیا اور اس پر قایم رہنے دیا۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا ــــ الهی تريد المعصية و

تبغضها قال جل جلالہ ذلک تاسیسا لعفوی اے میرے اللہ! آپ گناہ بھی چاہتے ہیں اور گناہ کو غضب کی نظر سے بھی دیکھتے ہیں، ایسا کیوں؟

رب ذوالجلال نے جواب دیا___ اس کو میرے عفوو بخشش کے لئے بنیاد سمجھئے۔

مجلس - ۷

۲۷ رصفر ختم اللہ بالخیر والظفر جمعرات کو نماز کے بعد (مجلس شریف میں حاضری ہوئی) قاضی خاں بھی موجود تھے۔ انہوں نے عرض کیا___ عقیدہ میں جو مرقوم ہے **الاستطاعة مقارنة للفعل و هي تصلح للضدين**. وہ کس طرح ہے؟

حضرت مخدوم نے فرمایا___ **تصلح للضدين علىٰ سبيل البدل**، جس طاقت اور صلاحیت کو گناہ میں لگایا اس کو اگر طاعت میں لگاتے تو یہ بہتر ہوتا۔ کسی نے معصیت کا ارتکاب کیا اگر وہ گناہ نہیں کرتا تو طاعت کرتا اور وہ نیکوکار ہوتا، اس لئے کہ فعل واحد ہوتا ہے، بحثیت فعل یہ کیا اور وہ کیا۔ فرق معصیت اور طاعت کے اعتبار سے ہوتا ہے ورنہ فعل کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں مثلاً ''زبان'' اسی زبان سے سچ بھی بول سکتے ہیں اور جھوٹ بھی، **قدرة واحدة تصلح للضدين** سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بندہ مختار ہے مجبور نہیں۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حکم سے ہوتا ہے۔ بندے کے اندر یہ قدرت کہاں کہ جو چاہے وہ ہو جائے۔ یہ صفت تو اللہ تعالیٰ کی ہے کہ وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے، لہٰذا بندہ اپنے فعل میں مجبور ہے نہ کہ مختار۔

علمائے اہل سنت والجماعت اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ہے تو ایسا ہی کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مرضی سے ہوتا ہے۔ بندہ اس کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا۔ لیکن اس بات کی قدرت کا امکان تو ہے کہ ایمان لائے یا کفر کرے، یہی اختیار ہے، وجود کے امکان کی ضرورت شرط نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ــــ حضرت امیر المومنین علی ﷺ سے کسی نے ایک بار سوال کیا کفر و معصیت کا ارتکاب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے تو پھر کافر اور گنہگار کو عذاب کیوں؟

حضرت امیر المومنین علی ﷺ نے جواب دیا کہ یہ باریک (نازک) راہ ہے اس میں قدم نہ رکھیے۔ سائل نے دوبارہ یہی سوال کیا، آپ نے فرمایا دیکھئے یہ ایک گہرا سمندر ہے اس میں پاؤں نہ ڈالئے۔

خاکسار نے عرض کیا ــــ قضاوقدر کا راز یہی ہے؟

حضرت مخدوم نے فرمایا ــــ جی ہاں! یہی ہے لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ اس کا سمجھنا محال ہے، مگر انتہائی دقت طلب ضرور ہے ہر کوئی اس کو سمجھ نہیں سکتا۔ اسی لئے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا۔

اس کے بعد فرمایا ــــ صاحب شرع ﷺ نے اسی حکمت کو دیکھ کر فرمایا اذا ذکر القدر فامسکوا جب اللہ تعالیٰ کے قضاء وقدر کی بات کی جائے تو اس میں غور وخوض مت کرو تاکہ فتنے سے محفوظ رہو۔

اس موقع پر خاکسار نے عرض کیا ــــ کچھ باتیں اور بھی ہیں جن پر گفتگو کرنے سے روکا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے اذا ذکر اصحابی فامسکوا و اذا ذکر النجوم فامسکوا (جب میرے صحابہ کا تذکرہ ہو تو خاموش رہو، اور جب ستاروں کی بات ہو تو چپ رہو) آخر اس ممانعت میں کیا مصلحت ہے؟

حضرت مخدوم نے فرمایا ــــ صحابہ کے درمیان کچھ باتیں ایسی ہوگئی تھیں جن کی وجہ سے منع کیا گیا ہے، مثلاً امیر المومنین علی ﷺ اور (حضرت) معاویہ کے درمیان جو کچھ ہوا یا پھر امیر المومنین حسین بن علی ﷺ اور یزید کے درمیان جو کچھ ہوا (وہ سب کو معلوم ہے) لوگ یزید پر لعنت بھیجتے ہیں، حالانکہ لعنت نہ کی جائے بلکہ اجمالاً وہی کہا جائے جو خطیب منبر سے کہتے ہیں اللھم ارحم کل من یستحق الرحمۃ واللعن کل من یستحق اللعنۃ (اے اللہ! جو

رحمت کے مستحق ہیں ان پر رحمت کا نزول فرما اور جو لعنت کے حقدار ہیں ان پر لعنت بھیج)۔اسی لئے کہا گیا ہے کہ جب صحابہ کا تذکرہ ہو تو ان کو نیکیوں سے یاد کیا جائے ان کی برائی نہ کی جائے تا کہ دین سلامت رہے۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمة الله علیه سے منقول ہے کہ جب ان سے لوگوں نے عرض کیا___ صحابہ کے درمیان جنگ وقتال ہوا (اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟) تو فرمایا___ کچھ خون ہو گئے تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھ کو محفوظ رکھا لہٰذا ہم اپنی زبان کو ان باتوں کے ذکر سے آلودہ نہ کریں، حضور نبی کریم ﷺ کے ارشاد واذا ذکر اصحابی فامسکوا میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

خاکسار نے عرض کیا___ جب اس سے ایسے کاموں کا صدور ہوا جو لعنت کو واجب کرتی ہیں تو پھر لعنت کیوں نہ بھیجی جائے؟ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ سلطان الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے جگر گوشے کو حالت بیکسی میں میدان کربلا میں محصور کر لیا اور آپ کے اوپر تیر و تلوار سے حملہ کر دیا۔

حضرت مخدوم نے فرمایا ___ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور (حضرت) معاویہ کے درمیان صلح ہو گئی تھی، اگر لعنت کے مستحق ہوتے تو پھر ان کے ساتھ صلح کیسے درست ہوتی۔

اب رہی بات یزید کی، تو یزید کے معاملے میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ برسوں مسلمانوں کا امام رہا ہے اس لئے اس پر لعنت نہ بھیجی جائے۔ اور بعض علماء کا خیال ہے کہ اس پر لعنت کرنی جائز ہے۔ جب اس موضوع پر اختلاف ہے تو پھر خاموش رہا جائے۔ اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے توبہ کر لی ہو۔

قاضی خاں دامت فضائلہٗ نے عرض کیا___ اذا ذکر النجوم فامسکوا میں کیا حکمت ہے؟

حضرت مخدوم نے فرمایا___ علوم افلاک و سیارگان کے ماہرین میں سے اگر کوئی علم نجوم میں مہارت رکھتے ہیں اور قاعدے و قانون کے مطابق وہ حساب کرتے ہیں، ان کے

حساب میں کسی طرح کی غلطی نہیں ہوتی ہے اور دلیل و علامت کے مطابق جو کچھ بتاتے ہیں وہی باتیں ہو جاتی ہیں تو اس سے فتنے کے دروازے کھل جائیں گے۔ اسی حکمت کے تحت اس موضوع پر گفتگو کرنے سے روکا گیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا ___ اللہ ہی بہتر جانتا ہے، شاید شریعت میں اس ممانعت کی کوئی دوسری وجہ اور کوئی دوسری حکمت ہو جس کو ہم نہیں جانتے ہیں۔

اس سلسلے میں جو اعتراضات پیدا ہوتے ہیں ان کو اسی وجہ سے لکھا گیا ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر جو کچھ ارقام فرمایا ہے اسی بات پر اپنی گفتگو ختم کرتے ہوئے فرمایا ___ احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ان چیزوں پر ایمان نہیں رکھنا چاہئے اس لئے کہ چاند سورج ستارے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان چیزوں کو اسباب کی حیثیت دی ہے اور شریعت میں جو ممانعت آئی ہے اس میں یہی حکمت ہے کہ ان معاملات میں نجومی اور علمِ نجوم کی صداقت ایمان کو متزلزل نہ کردے۔ ممانعت کے دو اسباب ہیں ایک تو یہ کہ اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ یہ چاند، سورج اور ستارے ہی فاعل ہیں اپنی ذات میں مستقل ہیں اور مدبر حقیقی کی تدبیر کے تابع نہیں ہیں (نعوذ باللہ من ذٰلک) اس طرح کی باتیں کفر ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ کہ نجومی جو کچھ تفصیل کے ساتھ خبر دیتے ہیں حالانکہ اس کی تخلیق میں ان کی کوئی شرکت بھی نہیں ہے لیکن اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے اس کے خالق وہی ہیں اور اپنی جہالت کی وجہ سے یہ بھی کہنے لگتے ہیں کہ علمِ نجوم کے احکام پیغمبر کا معجزہ ہے اور اب پرانا ہو جانے کی وجہ کر باقی نہیں رہا ہے، ایک دوسرے میں خلط ملط ہو چکا ہے، اس بات کی تمیز نہیں ہو سکتی کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے ___ ہاں! یہ اعتقاد رکھنا کہ ستارے ان کے آثار کے لئے لباس کی حیثیت رکھتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین، نباتات اور حیوانات میں پیدا کیا ہے تو یہ دین میں عیب نکالنا نہیں ہے بلکہ حق ہے۔ لیکن اپنی جہالت سے ان آثار کی تفصیل پر علم کا دعویٰ کرنا

دین کے لئے برا ہے، چنانچہ اگر کسی سے سوال کیجئے کہ تمہارے چہرے کا رنگ سیاہ کیسے ہو گیا تو ایسا نہیں کہ وہ جھٹلا دے۔ اسی پر تمام باتوں کو قیاس کیا جائے، علم کا دعویٰ کرنا جائز نہیں ہے۔

یہاں پر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ آسمان، ستارے اور جو کچھ ہیں سب کے بارے میں جو احکام ہیں وہ لوحِ محفوظ میں تحریر ہیں، پھر علماء کی تقریر اور حکماء کی تدبیر کا فائدہ ہی کیا ہے؟

اس کا جواب یہی دیا گیا ہے کہ احکام دو طرح کے ہیں مطلق اور مقید ___ حکماء اور علماء کی تدبیر و تقریر احکامِ مطلق پر اثر انداز نہیں ہو سکتی، لیکن احکامِ مقید پر ان کا اثر پڑ سکتا ہے۔ جانتے ہیں مطلق و مقید کیا ہیں؟ اس کو یوں سمجھئے کہ دنیا پر سورج کی شعائیں جو پڑتی ہیں ان میں علماء اور حکماء کی تدبیر کا کوئی دخل نہیں۔ لیکن اگر کسی کو کہئے کہ ان شعاؤں سے بچنے کی تدبیر کرو تو وہ سایہ میں چلا جاتا ہے اور اس سے سورج کی شعائیں دور ہو جاتیں ہیں، یہ مقید ہے۔ اسی پر ساری چیزوں کو قیاس کیا جائے۔ کلی طور پر کسی چیز کو دفع نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ٹھنڈک کے ذریعہ آگ سے بچا جا سکتا ہے۔

حضرت مخدوم عظمہ اللہ کی گفتگو جب یہاں پر پہنچی تو مؤذن نے جماعت خانہ معظم میں اذاں دی، آپ بھی اپنی زبانِ مبارک سے فرمانے لگے اَلصَّلٰوۃ الصلٰوۃ! پھر فرمایا کہ اٹھئے، اب ہم عشاء کی نماز پڑھیں گے۔ اسی مقامِ مقدس پر عشاء کی نماز ادا فرمائی اور فرض کے بعد دو رکعت سنتِ اخیرہ پڑھ کر حجرہ شریف کا رخ کیا اور غلامانِ بارگاہ قدم بوس ہو کر واپس ہو گئے۔

مجلس - ۸

۲۸ رصفر ختم اللہ بالخیر والظفر ۶۲ے ھ آستانہ بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ جانوروں کا گوشت کھانے کا تذکرہ ہونے لگا۔

خاکسار نے عرض کیا ___ مور کے کھانے کا ذکر آیا ہے؟

حضرت مخدوم نے فرمایا ___ مور کھانے میں کیا ہے۔ نہ وہ پنجہ والا جانور ہے، نہ درندہ ہے، نہ خشکی وتری کا کیڑا ہے اور نہ شرع شریف میں اس کی کوئی فضیلت آئی ہے، پھر اس کو نہیں کھانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

پھر عرض کیا ___ مینڈھا کھانے کی اجازت ہے؟

فرمایا ___ ہاں! مینڈھا کھانا مباح آیا۔ اس کے بارے میں جو عبارت آئی ہے وہ یہ ہے لانہٗ نوع من الجاموس (یہ ایک قسم کی بھینس ہے)۔

اس کے بعد شیر، درندے، خشکی و پانی کے کیڑے وغیرہ کے حرام کئے جانے کی حکمت بتاتے ہوئے فرمایا کہ کھانے کی جتنی چیزیں ہیں ان کے اندر ایک خاص تاثیر رکھی گئی ہے، آدمی جب ان چیزوں کو کھاتا ہے تو اس چیز کی جو خصیت و ماہیت ہے وہ اس آدمی میں پیدا ہو جاتی ہے لہٰذا جو چیزیں حرام کی گئی ہیں ان میں بھی یہی حکمت و مصلحت ہے۔

مجلس - ۹

صفر کی آخری تاریخ ۷۶۲ھ کو آستانہ بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ مشائخ رحمہم اللہ کے ساتھ عقیدے کی بات ہونے لگی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا ___ جس کو دیکھئے وہ یہی کہتا نظر آئے گا کہ ....**ہم تو بزرگوں کے غلام ہیں ...**

اپنے کو بزرگوں کا غلام کہنا اور لکھنا بہت آسان ہے لیکن اس کے لئے گواہ اور دلیل کی بھی ضرورت ہے۔ دیکھتے نہیں کہ قاضی صاحب صرف دعویٰ پر فیصلہ نہیں سنا دیتے، ان کے سامنے گواہوں کا گذرنا ضروری ہے اور جناب نبی کریم ﷺ نے جب حضرت حارث رضی اللہ عنہ سے

دریافت کیا کیف اصبحت آپ کی صبح کیسی ہوئی ؟ تو انہوں نے جواب دیا اصبحت مومناً حقاً ایک حقیقی مومن کی حیثیت سے میری صبح ہوئی ۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس دعوے پر اکتفا نہیں کرلیا بلکہ پھر دریافت کیا لکل حق حقیقة فما حقیقة ایمانک ہر ایک حق بات کی اصل ہوتی ہے، آپ کے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے یہ دلیل پیش کی عرفت نفسی عن الدنیا و اسهرت لیلی و اظمئات نهاری و استوی عندی ذهبها و فضتها و حجرها و مدرها[۸] و کانی انظر الیٰ عرش ربی بارزاً و کانی انظر الیٰ اهل الجنة یتزاورون و الیٰ اهل النار یتغاورون میں نے اپنے نفس کو دنیا سے پہچانا، دن کو روزہ دار رہے اور راتوں کو جاگ کر گذارا، میرے نزدیک سونا چاندی اور پتھر کنکر سب برابر ہیں، گویا میں اپنے رب کے عرش کو صاف دیکھ رہا ہوں اور یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ جنت والے ایک دوسرے سے مل رہے ہیں اور دوزخ والے مزید پستی و گہرائی میں چلے جا رہے ہیں ۔ جب حضرت حارث نے اپنے دعوے کی دلیل میں اپنی کیفیت بیان کی تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ___ ہاں ! اب آپ اس مقام پر پہنچ گئے ہیں لہٰذا اس کو اپنے لئے لازم کر لیجئے ۔ یہی اصل کام ہے ۔

چنانچہ اگر کوئی دعویٰ کر دے تو صرف دعوے پر اس کو نہیں چھوڑتے بلکہ دلیل بھی طلب کرتے ہیں ۔ اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ ___ ایک دفعہ درویشوں کی جماعت میں ایک شخص آئے انہوں نے سلام کیا ۔ اس جماعت کے سردار اور امیر نے پوچھا ___ آپ کون ہیں؟ عرض کیا ___ درویشوں کا غلام ___ جماعتِ فقرا کے امیر نے ایک شخص سے کہا ___ اٹھئے! ان کو بازار لے جا کر بیچ دیجئے ۔ وہ شخص ان کو بازار لے گئے وہاں فروخت کر دیا اور جو رقم لے کر آئے وہ فقرا میں خرچ ہوئی ۔ جس مالک نے ان کو خریدا وہ اپنے گھر لے گئے اس غلام کا حلیہ دیکھا تو غلامی کی کوئی علامت اس میں نظر نہیں آئی بلکہ اس کے برعکس دوسرے ہی اصول و طریقے پر اس کو پایا، مالک نے کہا ___ اے غلام ! ایک بات پوچھتا ہوں، سچ سچ بتاؤ اور وہ یہ کہ تمہارا حلیہ غلاموں کے جیسا نہیں،

آخر بات کیا ہے؟ انہوں نے کہا ___ اے آقا! یہ چھٹی بار میں بیچا گیا ہوں۔ پوچھا آخر وجہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا ___ میں درویشوں کی غلامی کا دعویٰ کرتا اور جب بھی ان کی جماعت میں پہنچتا ان کے جماعت خانے میں حاضر ہوتا اور وہاں سوال ہوتا کہ تو کون ہے؟ میں عرض کرتا درویشوں کا غلام! وہ لوگ میرے اس دعوے کو سن کر مجھے بازار بھیج دیتے اور فروخت کر دیتے جو رقم ملتی اس کو خرچ میں لاتے۔ اس طرح میں چھٹی بار فروخت ہو چکا ہوں۔

مجلس - ۱۰

۳ ربیع الاول ۷۶۲ھ آستانہ بوسی کی دولت نصیب ہوئی۔ آپ کے خالتی بھائی مولانا نظام الدین دام تقواہ نے عرض کیا ___ اگر کوئی شخص بزرگوں کی جماعت سے اپنے کو منسلک کر لیتا ہے تاکہ وہ ان کی تمام روش اور طریقے کو اپنا لے اور ان پر معمل ہو جائے تو اس شخص کا شمار اس جماعت میں ہوگا کہ نہیں؟

حضرت مخدوم نے فرمایا ___ کمال اسی وقت پیدا ہوگا جب اس جماعت کے اعمال واخلاق پر پورے طور سے عمل کرے گا، لیکن اگر کچھ کاموں میں ان کی روش اور صفت کو اختیار کرتا ہے تو اسی مقدار میں اس کا شمار کیا جائے گا جس مقدار میں عمل کرتا ہے۔ حدیثِ نبوی ہے کہ من احب قوماً فھو منھم و ان لم یعمل بعملہ یعنی جو جس قوم کو محبوب رکھتا ہے وہ انہیں میں سے ہے اگرچہ ان کی اتباع نہ بھی کرتا ہو۔ لیکن اگر محبت کے ساتھ ساتھ ان کی اتباع اور پیروی بھی کرتا ہے تو اس موافقت و مشابہت کی وجہ سے درجہ کمال کو پہنچ جائے گا۔ اسی مناسبت کی یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کسی قبرستان میں مشغول تھے اور نماز پڑھ رہے تھے کہ دو شخص آئے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ کون شخص ہیں۔ ان میں سے

ایک نے کہا یہ تو حضرت بہاء الدین کے مرید معلوم ہوتے ہیں۔ دوسرے نے کہا تم نے یہ کیسے سمجھا؟ انہوں نے جواب دیا دیکھتے نہیں کہ ان کے عمامے کی بندش حضرت بہاء الدین کی روش کے مطابق ہے۔ شیخ نظام الدینؒ حالتِ نماز میں ان کی گفتگو سن رہے تھے، جیسے ہی نماز سے فارغ ہوئے اپنا عمامہ کھول کر اس طریقے پر باندھ لیا جس طرح ان کے شیخ باندھا کرتے تھے۔

یہ بہت ہی اہم کام ہے کہ تمام حرکات وسکنات اور قول وفعل میں اپنے پیر کی اتباع کی جائے اور یہی تو اصل مریدی ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں جتنا کامل ہوئے وہ امت کے درمیان اتنے ہی فضیلت مآب ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے اتنے ہی قریب ہوئے **المشیخة خلافة النبوة** (شیخ نبی کا خلیفہ ہوتا ہے)۔

عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں کہ مریدی پیر پرستی کا نام ہے **من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** (جس نے رسول کی تباع کی اس نے اللہ کی پیروی کی)

مجلس - ١١

٨ ربیع الاول ٦٢٧ھ آستانہ بوسی کی سعادت حاصل ہوئی، وہ منگل کا دن تھا اور چندروز سے حضرت مخدوم کی طبیعت نقاہت وکمزوری کے سبب ناساز تھی۔ خواجہ نصیر الدین دیوالی مزاج پرسی کے لئے آئے تھے، انہوں نے عرض کیا ـــــ حضرت! آپ مخدوم جہاں ہیں، آپ کی ذات لوگوں کے لئے حیات بخش ہے اور آپ لوگوں کے مطلوب ومقصود ہیں اگر کچھ دوا لے لی جائے تو تکلیف جلد دور ہو جائے (ایسا ہم لوگوں کی خاطر کیا جائے) اس لئے کہ اگر آپ دوا استعمال نہ بھی کریں تو اس تکلیف سے آپ کا کیا نقصان ہوگا۔

حضرت مخدوم نے فرمایا ـــــ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کچھ جسمانی تکلیف ہوگئی

تھی۔ بنی اسرائیل ایک ساتھ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس مرض کی فلاں دوا ہے آپ نے فرمایا الشافی ھو اللّٰہ (اللہ شفا دینے والا ہے) بنی اسرائیل واپس ہو گئے چند ہی روز میں مرض نے شدت اختیار کرلی، بنی اسرائیل دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کیا اے پیغمبرِ خدا! اس مرض کے لئے فلاں فلاں دوا مفید اور بہت مجرب ہے، اگر حکم ہو حاضر کروں اور اس تکلیف کی جگہ پر لگا دوں۔ آپ نے پھر وہی جملہ دہرایا الشافی ھو اللّٰہ یہ لوگ پھر واپس ہو گئے چند ہی روز میں مرض نے اور زیادہ شدت اختیار کرلی، بنی اسرائیل نے پھر حاضر ہو کر وہی درخواست کی اور عرض کیا اے پیغمبرِ خدا! فلاں فلاں دوا استعمال کی جائے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر وہی جواب دیا الشافی ھو اللّٰہ ادھر موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات کہی اور ادھر اللہ پاک کے یہاں سے وحی آئی کہ اے موسیٰ! میری عزت و جلال کی قسم! میں اس وقت تک آپ کو صحت و شفا دینے والا نہیں جب تک آپ اس دوا کو استعمال نہیں کریں گے جس کے بارے میں بنی اسرائیل نے آپ سے عرض کیا ہے۔

اب اس کو کیا کیجئے گا۔ اگرچہ بغیر کسی دوا اور بغیر کسی واسطے کے وہ شفا دینے پر قادر ہے لیکن یہ بات حکمت کے خلاف ہے۔ اسی طرح بہت سارے کام ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ بغیر کسی انسان کی شرکت کے سلا سلایا کپڑا اور پکی پکائی کھیر بھیج سکتا ہے اس بات پر اس کو قدرت حاصل ہے مگر یہ کام حکمت کے خلاف ہے اس وقت دنیا کے بہت سارے کام حکمت ہی پر چل رہے ہیں۔

یہ حکایت بیشتر فواید کے ساتھ جو اس کے ضمن میں آئے ہیں خاکسار کے مرتب کردہ پانچویں یا چھٹے ملفوظ میں تحریر ہے۔ جس طالبِ صادق کو شوق ہو وہ ان کتابوں سے روشنی لے سکتا ہے جو لطائف کا خزانہ ہیں۔

پھر خواجہ نصیر الدین نے عرض کیا ___ اجناء پوشیدہ باتوں کو بیان کر دیتے ہیں۔ ایسا کیسے ہوتا ہے؟

فرمایا ___ ان کو جو احساس حاصل ہے اسی حس کی وجہ سے وہ گذشتہ باتوں سے واقف

ہو جاتے ہیں۔ایسا نہیں ہے کہ ان کو علمِ غیب حاصل ہے۔دوسری بات یہ کہ جن لطیف ہیں اور بشر کثیف۔جو لطیف ہے اس کو اپنی لطافت کی وجہ سے وہ باتیں حاصل ہو جاتی ہیں جو کثیف میں ہیں، جیسے آئینہ لطیف ہے اس کی لطافت کی وجہ سے جو چیزیں اس کے سامنے آتی ہیں وہ اس میں ظاہر ہو جاتی ہیں۔

اسی درمیان خواجہ نصیر الدین نے عرض کیا ___ آئینہ کی تو بات ہی دوسری ہے اس لئے کہ آئینہ میں جو چیز یا جو شخص نظر آتا ہے وہ اسی جگہ موجود ہوتا ہے لیکن اجناء میں ایسی بات نہیں۔وہ تو گذری ہوئی باتوں کو بیان کر دیتا ہے۔

آپ نے فرمایا ___ آئینہ میں جس مقدار کی لطافت ہے اسی مقدار میں ظاہر اور عیاں کرتا ہے اپنے سامنے کے آدمی اور اپنے سامنے کی چیز کو پیش کرتا ہے اور جن میں جو لطافت ہے وہ اپنی لطافت کی مقدار میں ظاہر کرتا ہے۔

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے اس کے بعد فرمایا ___ دل لطیف ہے اور اس کی لطافت ہی کی وجہ سے سارا عالم مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک ایک نقطے کی شکل میں نظر آتا ہے۔عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اسی لطافت کی وجہ سے فرشتوں کو کوئی حجاب نہیں، دیوار سے اندر چلے آئیں اور سخت پتھروں میں اس طرح داخل ہو جائیں جس طرح جنگل اور کھلے میدان میں۔لیکن فرشتے حرکت کے محتاج ہیں گرچہ پلک مارتے اپنے مقصد اور منزل پر پہنچ جاتے ہیں لیکن اس کے لئے ان کو متحرک ہونا پڑتا ہے اور حرکت کا محتاج ہونا کمال کی ضد ہے۔روحیت یعنی سبک پن اور کمالِ لطافت انسان کی روح کو حاصل ہے، انسان کے سوا کسی دوسری مخلوق کو لطافت کا یہ درجہ حاصل نہیں۔عرش سے تحت الثریٰ تک کوئی ایک ذرہ بھی انسان کی پہنچ سے دور نہیں اور اس کے لئے وہ کسی حرکت کا بھی محتاج نہیں۔

افسوں یعنی منتر کا ذکر ہونے لگا حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا ___ اس سلسلے میں یہ روایت آئی ہے کہ لا باس بالرقیہ منتر میں کوئی نقصان اور خوف نہیں ہے۔اب یہاں پر یہ سوال اٹھتا

ہے کہ کس منتر میں نقصان نہیں ہے۔وہ منتر جو کفریہ کلمات سے خالی ہو اس میں کوئی نقصان نہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا ــــــ تفسیر امام زاہد میں مرقوم ہے کہ منتر میں اثر کیسے پیدا ہو جاتا ہے۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے دیو کو یہ قدرت اور قوت حاصل تھی کہ وہ آسمان کی طرف جاتے اور فرشتے آپس میں جو گفتگو کرتے اس کو چوری کر لیتے، اور وہ گفتگو یہ ہوتی کہ جو ان کلمات کو پڑھے گا اس کا یہ اثر ہوگا اور یہ فائدہ ہوگا، ان کلمات کے خواص و اثرات کو آپس میں فرشتے بیان کرتے، دیو ان کی باتوں کو سن کر اخذ کر لیتے اور زمین پر آ کر چند کلمات اپنی طرف سے بناتے اور آسمانی کلمات جن کو چوری کر کے لائے ان میں اپنے بنائے ہوئے کلمات کو شامل کر دیتے اور اپنی قوم سے کہتے کہ میں یہ منتر جانتا ہوں اور میرے منتر کا یہ اثر ہوتا ہے۔اس کے بعد وہ منتر پڑھ کر سناتے اس کا اثر ظاہر ہونے لگتا، حالانکہ جو اثر ظاہر ہوتا وہ تو اس کلمے کی برکت سے ہوتا جو وہ آسمان سے چرا کر لائے ہیں۔اگر کسی مریض پر پڑھ دیتے تو وہ صحت یاب ہو جاتا۔موقع کی مناسبت سے وہ منتر پڑھا جاتا اور اس کلمے کی برکت سے فائدہ ظاہر ہو جاتا۔

پھر فرمایا ــــــ **لا باس بالرقیہ** کا اطلاق اسی وقت ہوگا جب منتر میں کفریہ کلمات شامل نہ ہوں، اس لئے سب سے پہلے کفریہ کلمات کو جاننا چاہئے، اس کے بعد تحقیق کی جائے اگر کفریہ کلمات ہوں تو ان سے پرہیز کیا جائے، اگر تحقیق نہیں کی، کفریہ کلمات پائے گئے اور ان کو پڑھ دیا یا ان پر اعتقاد کر لیا تو اس سے کفر لازم آتا ہے۔

بلا اور آزمائش کا ذکر چھڑ گیا۔فرمایا ــــــ بلا اور آزمائش قبر تک ساتھ ہے **الدنیا دار بلاء و محنة** (دنیا بلا اور محنت کی جگہ ہے) اس بلا و محنت کے گھر میں عجز و زاری اور دعا میں لگے رہنا بہتر ہے، سبحان اللہ! بلا اور آزمائش کی کوئی حد نہیں۔ ہر وقت بلا سامنے ہے، ایک بلا دور نہیں ہوتی کہ دوسری آجاتی ہے، ایک بلا کے پیچھے دوسری بلا لگی ہوئی ہے، چھٹکارا نہیں، اسی لئے دنیا کی بلاؤں کو دریا کے موج سے تشبیہ دیا ہے، جس طرح ایک موج کے بعد دوسرا موج اٹھتا ہے

اسی طرح دنیا میں بلاؤں کا نزول ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا___ یہی وجہ ہے کہ پیغمبران علیھم السلام کفار سے بحث ومباحثہ اور جنگ کے وقت خائف رہتے کہ اس بحث اور جنگ میں کوئی ایسی بات نہ ہو جائے جو کسی آزمائش میں ڈال دیے جائیں اور کفار اپنے کو بزعم خود حق پر اور پیغمبر خدا کو باطل ثابت نہ کر دیں مثلاً مکہ میں ہجرت نبوی سے قبل مکہ والے یہود ونصاریٰ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ یہ تو بتائے کہ آپ کی کتابوں میں مشکل مسائل کیا کیا ہیں؟ ذرا ان کی نشاندہی کیجئے تا کہ ہم لوگ محمد (ﷺ) کے پاس جا کر ان باتوں کو ان سے دریافت کریں۔ یہود ونصاریٰ نے چند باتوں کی نشاندہی کی، ان میں سے ایک اصحابِ کھف کا قصہ تھا، دوسرا سوال روح کے بارے میں تھا اور تیسرا سوال تھا سکندر (ذو القرنین) کے قصے سے متعلق۔ یہود ونصاریٰ نے کہا ان کے پاس جائیے اور یہی تین سوال ان سے کیجئے اگر دیکھئے کہ کیفیتِ روح کے بارے میں بتاتے ہیں تو سمجھ جائیے کہ محمد (ﷺ) پیغمبرِ آخر الزماں ہیں۔

مکہ والوں کی یہ جماعت آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور ان تینوں مسائل سے متعلق عرض کیا۔

رسول اللہ ﷺ کی عادتِ شریفہ تھی کہ جب لوگ آپ سے کسی موضوع پر سوال کرتے تو آپ جواب کے لئے وحی کا انتظار فرماتے اور نزولِ وحی کی جو مدت ہوا کرتی تھی اس مدت تک منتظر رہتے، اگر وحی آجاتی تو پھر ٹھیک ہے اور اگر اس مدت تک وحی کا نزول نہیں ہوتا تو اس وقت اجتہاد سے کام لیتے اور اپنے اجتہاد سے جواب دیتے۔ جب مکہ والوں نے تینوں مسئلے جواب کے لئے آپ کے سامنے پیش کئے تو آپ نے وحی کا انتظار کیا لیکن اس وقت وحی نہیں آئی آپ نے فرمایا کل ان سوالوں کا جواب دیں گے لیکن اس وعدے کے وقت آپ انشاء اللہ کہنا بھول گئے، دوسرے روز صبح سویرے کفار مکہ جواب کے لئے حاضر ہو گئے اور دوسرے روز ان کی

جماعت دوگنی تھی۔ وہ سب آئے اور کہنے لگے اے محمد (ﷺ)! آپ نے آج جواب دینے کا وعدہ کیا تھا اس لئے جواب دیجئے۔ لیکن اس وقت تک وحی نہیں آئی تھی چنانچہ وہ لوگ اپنی بڑائی جتانے لگے اور مسلمانوں سے کہنے لگے ہمارے مذہب میں آجایئے اسی طرح کی لغو اور فضول باتیں وہ اپنی زبان سے ادا کرتے رہے۔ سترہ دنوں تک وحی نہیں آئی۔ سترہ دنوں تک کفارِ مکہ آتے رہے اور جو ان کے جی میں آیا وہ بکتے رہے۔ ان چند دنوں میں آپ اور آپ کے صحابہ پر جو گذری سو گذری، ان کے دل کے حال کو خدا ہی جانتا۔ سترہ دنوں کے بعد حضرت جبرئیل آئے آپ نے سب سے پہلے دریافت فرمایا اے بھائی جبرئیل! یہ تو بتایئے کہ وحی آنے میں سترہ روز کی تاخیر کیوں ہوئی؟ جبرئیل نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! جس وقت آپ نے کافروں سے وعدہ کیا تھا کہ کل جواب دیں گے اس وقت آپ نے انشاء اللہ نہیں کہا تھا۔ تاخیر کی یہی وجہ ہے۔

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے اس موقع پر فرمایا ___ اگر کسی سے کچھ وعدہ کیجئے یا یہ کہئے کہ فلاں کام کل کر دوں گا یا فلاں چیز دوں گا تو اس کے ساتھ انشاء اللہ بھی کہئے۔ اس لئے کہ اگر انشاء اللہ کے ساتھ وعدہ کیا اور وہ وعدہ پورا نہیں ہوا یا وہ کام نہیں ہو سکا تو وعدہ خلافی کے الزام سے محفوظ رہ جائیں گے۔

تفسیر میں بھی آیا ہے کہ اگر کوئی انشاء اللہ کے ساتھ وعدہ کرتا ہے اور چھ مہینے کے بعد وہ وعدہ یاد آتا ہے تب بھی وعدہ خلافی کا الزام عائد نہیں ہوگا۔

یہ واقعہ اپنے پورے فوائد کے باوجود ابتلا اور آزمائش ہی کی مثال ہے۔ حضرت مخدوم کے پہلے اور پانچویں ملفوظ میں جو اس خاکسار کا مرتب کردہ ہے، اس بیچارے نے بہت کچھ لکھ دیا ہے، اگر کسی کو مزید جاننے کا شوق ہے تو وہ ان کتابوں میں دیکھ لے۔

حضرت مخدوم ابھی محوِ گفتگو تھے کہ کہیں سے ایک طشت کھانا آیا، آپ نے فرمایا پیش کیجئے کھانا لگایا گیا، کھانے کے دوران حضرت مخدوم کی خاص بلّی جو اس سگِ قدیم کی طرح

حضرت کی بارگاہ میں ہمیشہ حاضر رہتی تھی سامنے آ گئی، حضرت مخدوم نے بریانی سے ہڈی نکال کر
اس کے آگے ڈال دی۔اس وقت خواجہ نصیر الدین نے عرض کیا ـــــ کیا بلّی کو تمام بزرگوں نے
پسند فرمایا ہے؟ حضرت مخدوم نے فرمایا ـــــ جی ہاں! بلکہ خود حضور نبی کریم ﷺ کے پاس بھی بلّی
تھی اور آپ کے وضو والے برتن میں پانی پی لیتی تھی۔بلّی کے جوٹھے سے متعلق ائمہ کا اختلاف
ہے۔امام ابی یوسف قاضیؒ نے بلّی کے جوٹھے کو پاک کہا ہے اور دلیل میں یہ پیش کیا ہے کہ جب
رسول اللہ ﷺ وضو کرتے بلی آ جاتی، پانی پینے کی خواہش کرتی، آپ وضو کا برتن اس کے سامنے
کر دیتے، وہ اس برتن سے پانی پی لیتی، اس کے بعد آپ اسی پانی سے وضو کر لیتے۔اگر بلّی کا
جوٹھا پاک نہیں ہوتا تو اس کے جوٹھے پانی سے وضو کیسے جائز ہوتا۔اور یہ بھی معلوم رہے کہ مدینہ
میں وضو کا برتن ویسا نہیں ہوتا تھا جیسا ہم لوگوں کی طرف ہوتا ہے یعنی وہاں لوٹا اور بدھنا نہیں ہوتا
بلکہ طغار، لگن اور گھرے طشت کی شکل کا برتن ہوتا جس سے وضو کرتے۔

مجلس - ۱۲

۱۸/ربیع الاول ۷۶۲ھ جمعہ کے دن آستانہ بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔قاضی اشرف
الدین دام عملہ نے عرض کیا ـــــ اگر کوئی اجرت پر ختم قرآن کرتا ہے تو اس کو ملازمت کہیں گے۔

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا ـــــ دراصل عبادات پر اجرت لینا درست نہیں ہے
جیسے قرآن مجید کی تعلیم ہو، امامت ہو یا اذان ہو لیکن متاخرین نے جب یہ دیکھا کہ لوگوں کی
رغبت اس طرف کم ہو رہی ہے اور کوئی بھی اجرت کے بغیر ان کاموں کو کرنا نہیں چاہتا ہے تو
ضرورتاً اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا اور ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر کسی نے اس طرح کے
کاموں مثلاً ختم قرآن مجید وغیرہ کے لئے کسی سے کہا اس نے وہ کام کر دیا لیکن اس کو اجرت نہیں

ملی اور اس نے قاضی کے یہاں مقدمہ دائر کر دیا تو قاضی نے اس کو اجرت دلوا دی ہے۔ لیکن ختم قرآن کے ساتھ اجرت نہیں ہے تو پھر اس کو لازم کیسے کہا جاسکتا ہے۔ ہاں! اجرت لینے کی روایت بہت کم ملتی ہے۔

مجلس - ۱۳

۲۰ ربیع الاول ۶۲ھ سوموار کے دن آستانہ بوسی کی سعادت نصیب ہوئی مولانا لطف الدین مفتی مجلس شریف میں موجود تھے، انہوں نے عرض کیا__ اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار ایک ناموں میں شکال اور مکار بھی آیا ہے، آخران دونوں اسماء کے معنی کیا ہوں گے؟

حضرت مخدوم شکال کے معنی پر غور کرنے لگے اور مکار کا معنی بتایا مکر کا بدلہ دینے والا۔ عرب والوں نے اس طرح استعمال بھی کیا ہے۔ قرآن مجید میں بھی مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ [آل عمران ۵۴] (ان لوگوں نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے) کی تفسیر میں اسی معنی کو بیان کیا گیا ہے اور مَكَرُ اللّٰهِ کا معنی یجازی بالمکر ہے یعنی مکر کے ذریعہ بدلہ دیتا ہے۔ عرب والوں کے استعمال کے مطابق جب کسی عمل کے بدلے کے لئے اسی فعل کا ذکر کرتے ہیں تو اسی وجہ سے مکر کی اضافت کا ذکر اللہ تعالیٰ کی طرف کیا گیا ہے۔

پھر فرمایا__ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ شکال کو شکل وصورت کی حفاظت کرنے والے، طریقوں اور صورتوں کے پیدا کرنے والے کے معنی میں لیا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا__ مکر کا استعمال کفار کے حق میں ہے اس لئے کہ جن کو بدلہ دیا جائے گا وہ کفار ہیں۔ اور__ مکر ہے کیا؟__ جس معنی میں انبیاء اور اولیاء کے لئے استعمال

کرتے ہیں اسی معنی میں بعض کفار کے لئے بھی استعمال کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ جس چیز کو انبیاء اور اولیاء کے حق میں استعمال کرتے ہیں جب وہی چیز کفار میں دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ مکر ہے جو ان کی شیخی بگھارنے اور گرفت کے لئے ان کے اندر ڈال دی جاتی ہے۔ لیکن وہی ایک معنی حالت کے بدلنے سے بدل جاتا ہے۔ جب انبیائے کرام میں دیکھیں گے تو کہیں گے یہ معجزہ ہے، اولیاء میں دیکھیں گے تو کہیں گے یہ کرامت ہے، کفار میں پائیں گے تو کہیں گے یہ مکر ہے۔ اس لئے کہ کرامت کے لئے جو علم و عمل اور احوال چاہئے وہ تو مومن کے لئے مخصوص ہیں۔ یہ تینوں صفتیں کفار کو کہاں نصیب! اس سے ہمیں یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ (کفار) کی گرفت و پکڑ کے لئے ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں فرعون دریائے نیل کے کنارے کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا اے دریائے نیل! تجھے میرا یہ حکم ہے کہ واپس ہو جا۔ اسی وقت دریائے نیل کا پانی واپس ہو گیا۔ یعنی جس طرح وہ کہتا اسی طرح ہو جاتا۔ یہی حال دجال ملعون کا ہوگا، کسی شخص سے کہے گا مرجا اسی وقت وہ شخص گرے گا اور مرجائے گا، کسی مردہ سے کہے گا زندہ ہو جا وہ مردہ اسی وقت زندہ ہو جائے گا۔ اس طرح کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں۔

لیکن ہاں! یہ سمجھ لیجئے کہ اگر کوئی پیغمبر ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے تو یہ درست نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ جو لازمۂ پیغمبری ہے وہ اب کسی کو دیا جائے۔

اس کے بعد فرمایا ــــ کفار کے حق میں مکر کی جو تفسیر بیان کی گئی ہے مشائخ از روئے اعتبار اپنی کرامت کو اپنے لئے مکر پر محمول کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کہاں کرامت اور کہاں میں۔ میں کرامت کے لائق ہی نہیں تو پھر یہ کرامت مکر ہی تو ہے۔

تمہیدات ابو شکور سالمی سامنے رکھی تھی، حضرت مخدوم اس کو دیکھنے لگے اور حق ﷻ کے اسمائے گرامی کے مضمون کو پڑھنے لگے۔

اللہ تعالیٰ کو طبیب کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اس پر گفتگو کرنے سے پہلے طبیب کا معنی جاننا

ہوگا۔ طبیب کا معنی دوا اور مرض کا جاننے والا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کو طبیب کہنا جائز ہے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی معنی میں استعمال کیا ہے، جب وہ بیمار ہوئے اور لوگوں نے عرض کیا ــــ اگر حکم ہو تو طبیب کو حاضر کروں۔ فرمایا الطبیب مرضنی جس نے مجھ کو بیمار ڈالا ہے وہی مرض اور دوا کا عالم ہے، اس لئے طبیب کو بلانے کی کیا ضرورت!

اس کے بعد فرمایا ــــ امام غزالیؒ سے منقول ہے کہ ایسا لفظ جس سے دانشوروں کی نظر میں غلطی اور نقصان کا شائبہ ظاہر نہ ہو اور شرع کی رو سے اس کی ممانعت بھی نہ ہو ویسا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بولنا جائز ہے اور ایسا لفظ جس میں نقص پایا جائے اور شریعت کی رو سے اجازت بھی نہ ہو ویسا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے مثلاً عارف۔

مجلس - ۱۴

۲۳ / ربیع الاول ۶۲ ۷ ھ منگل کے دن آستانہ معظم کی خاکبوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ حاضرین مجلس میں سے کسی نے عرض کیا ــــ اگر کسی مومن نے ممنوعات مثلاً شراب وغیرہ کا استعمال کیا ہو اس کے ساتھ کھانا کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

حضرت مخدوم نے فرمایا ــــ قیاس تو کہتا ہے کہ اگر اس کا منہ آلودہ نہ ہو تو کھا سکتے ہیں۔ جب کافر کا جوٹھا پاک ہے تو مومن کا کیا پوچھنا۔ وہ تو اس سے کہیں افضل ہے۔ اگر اس کا منہ آلودہ نہ ہو تو اس کے ساتھ کھا سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ کھانے کی ممانعت کہیں نظر سے نہیں گذری ہے لیکن نصاب الاخیار میں یہ وعید آئی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا من شارب الخمر او صافحه او عانقه احبط الله عمله اربعین سنة (جس نے شراب پی اس سے مصافحہ کرنے والے یا معانقہ کرنے والے کے چالیس سال کے اعمال کو اللہ تعالیٰ برباد کر دیتا ہے)

ہاں! اگراس امید پر کہ وہ توبہ کرلے بطور تنبیہ اس کے ساتھ کھانے سے احتراز کیا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا___ فتاویٰ میں بھی ایسا ہی ہے کہ جوشراب ہم لوگوں کے علاقے میں فروخت ہوتی ہے وہ امام محمدؒ کے نزدیک خمر (یعنی نشہ آور شے) ہے۔اس کا پینا حرام ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔لیکن دوسرے علماء کہتے ہیں کہ یہ طرب انگیز مشروب ہے۔امام محمدؒ دلیل میں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں کل مسکر حرام (ہر نشہ آور چیز حرام ہے) اس معنی کے اعتبار سے انگوری شراب اور یہ شراب (جو ہم لوگوں کی طرف ہوتی ہے) ایک ہی ہے۔

اس کے بعد فرمایا___ طلباء کا کہنا ہے کہ مسکر میں جو میم ہے وہ فاضل ہے اور راوی نے غلطی سے میم کا اضافہ کردیا ہے، یہ اصل میں کل سکر حرام ہے لہٰذا طرب انگیز مشروب کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کے پینے سے مستی پیدا ہو، اگر مستی پیدا ہوتی ہے تو شرعی حد کا نفاذ ہوگا۔

مجلس - ۱۵

۲۴ ربیع الاول ۶۲ ہ آستانہ بوسی کی سعادت حاصل ہوئی، قاضی منہاج الدین خلیلی اور مولانا میاں نائب خطیب مجلس شریف میں حاضر تھے۔

حضرت مخدوم معظمہ اللہ نائب خطیب مولانا میاں کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا اس زمانے میں خطبہ کو طویل نہیں کیا جائے، حمد اور وعظ میں اختصار سے کام لیا جائے اور تقریر میں زیادہ (یعنی غیرضروری) باتوں سے احتراز کیا جائے، اس لئے کہ اس زمانے میں زیادہ تر لوگ ایسے ہیں جو مختلف قسم کی پریشانیوں میں مبتلا ہیں اور پریشان حال ہیں (لہٰذا ان کا خیال رکھا جائے)

اس کے بعد فرمایا___ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر خطیب نے صرف الحمد للہ پڑھ دیا تو خطبہ پورا ہوگیا۔

پھر اس موضوع پر گفتگو ہونے لگی کہ آج کل امام اور خطیب خطبہ تیار کرنے اور اس کو یاد کرنے میں ہر وقت لگے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ علم کی تحصیل جیسی ہونی چاہئے نہیں ہوتی ہے۔

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا___ خشبتان معطلان المنبر والمحراب (دولکڑیوں نے بیکار کر کے رکھ دیا ہے ایک منبر اور دوسرا محراب)

خاکسار نے عرض کیا___ منبر لکڑی کا ہوتا ہے لیکن محراب کو لکڑی کیسے کہا گیا؟

حضرت مخدوم نے فرمایا___ شاید تغلیب کی وجہ سے کہا گیا ہو۔

پھر محبت کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا___ مَنْ اَحَبَّ قَوْمًا حَشَرَ مَعَهُمْ جو جس قوم سے محبت کرتا ہے اس کا حشر اسی قوم کے ساتھ ہوگا اگرچہ اس کی پیروی نہ بھی کرتا ہو۔ یہ مضمون اس حدیث سے اور بھی واضح ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ محبت کے اصول کے مطابق ہر شخص اپنے دوست کے ساتھ ہوتا ہے اگرچہ ظاہری طور پر وہ مغرب میں ہو یا مشرق میں۔

خاکسار نے عرض کیا___ اگر کسی کو مختلف جماعت سے محبت ہو تو اس کا حشر کس کے ساتھ ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ جس کی محبت غالب ہوگی۔

مولانا نظام الدین نے عرض کیا___ کچھ لوگ (کافر) بنیا وغیرہ کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا کرتے ہیں اور محبت سے پیش آتے ہیں، وہ مر جاتا ہے تو اس کی موت پر افسوس اور رنج و ملال کا اظہار کرتے ہیں۔ آخر ایسے لوگوں کا کیا حال ہوگا؟

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا___ کافر سے محبت کی جو ممانعت ہے اس سے وہ محبت مراد ہے جو اس کی ذات سے حقیقتاً کی جائے۔ ہاں! اگر اس سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور اس کی موت سے فائدے کا وہ ذریعہ بند ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں نفع بخش شخصیت کی موت پر افسوس اور غم کا اظہار کیا جا سکتا ہے اور یہ افسوس و غم فائدہ و نفع کے بند ہو جانے پر ہوگا، اس میں

کوئی نقصان و ڈر نہیں۔اس کو یوں سمجھے کہ اگر کسی کا غلام کافر ہے جیسا کہ ہمارے علاقے میں بوجھ ڈھونے والے ہوا کرتے ہیں اور وہ مرجائے تو اس کا مالک اس کی موت پر حسرت وافسوس کرتا ہے، یہاں پر اس مزدور سے مالک کو جو فائدہ پہنچ رہا تھا وہ اس کی موت سے بند ہو گیا۔لہٰذا ایسی صورت میں اس کی موت پر حسرت وافسوس کے اظہار میں کوئی نقصان نہیں۔اب دیکھنا یہ ہے کہ کافر سے جو محبت کی جارہی ہے وہ کسی فائدے کی وجہ سے کی جارہی ہے یا بغیر کسی منفعت کے۔اگر کسی منفعت کے بغیر کی جارہی ہے تو یہ ممنوع ہے۔

اسی درمیان مولانا نظام الدین دام تقواہ نے عرض کیا___ قرآن کریم میں تو یہ جملہ آیا ہے لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ [آل عمران/۲۸] (مومنوں کو چاہئے کہ مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں)

فرمایا___ ممانعت جو آئی ہے وہ اس صورت میں ہے کہ کہیں ان سے حقیقی محبت اور اصل دوستی نہ ہو، یعنی اگر کوئی کافر، مسلمان ہو جاتا ہے اور اس کے والدین کافر ہی رہتے ہیں تو طبعی طور پر وہ اپنے والدین سے جو محبت کرتا ہے وہ فطری ہے، وہ اس وجہ سے محبت نہیں کرتا ہے کہ وہ کافر ہیں۔ایسی صورت میں محبت کا اطلاق نہیں ہوگا اور ایسی دوستی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔چنانچہ یہ بات معلوم ہوگئی کہ اگر اس کے کافر ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی دوسری وجہ سے محبت کی جاتی ہے ایسی محبت سے کوئی نقصان نہیں، اس لئے کہ یہ محبت وہ محبت نہیں ہے جس کے بارے میں ممانعت آئی ہے، محبت تو وہ ہے جس کے بارے میں بستان ابواللیثؒ میں تحریر ہے کہ صحابہ کے درمیان محبت وعداوت کے جو اقسام تھے ان میں سے ایک یہ ہے کہ من ابغض فی اللہ و احسنہ لیقضیٰ یعنی البغضۃ لاجل کفرہ واحسنہ لاجل محبتہ اور اللہ پاک نے ال عمران کی آیت مذکورہ کے آخر میں استثناء سے کام لیا ہے یعنی جہاں یہ فرمایا کہ کافروں کو دوست نہ بناؤ وہیں یہ بھی فرمادیا اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً (اگر اس طریقے سے تم

ان کے شر سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو تو مضائقہ نہیں) یعنی اگر ان کا خوف ہو۔ معلوم ہوا کہ کسی وجہ سے محبت کی جاسکتی ہے اور تُقۃ سے متعلق تفسیر امام زاہد میں آیا ہے کہ یہ محبت زبان سے ہو دل سے نہ ہو یعنی کافر سے مومن کی محبت زبانی ہو قلبی نہیں اور وہ بھی کسی وجہ سے ہو بلا سبب نہیں۔ ایسی ہی محبت کے لئے کہا گیا ہے لا باس للمسلم مسلمانوں کے لئے ایسی محبت میں کوئی نقصان نہیں اور اسی طرح بستان میں آیا ہے کہ لا باس للمسلم اذا کانت له قرابة من اهل الذمة ان یهدی الیها (مسلمان اگر اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کو تحفہ اور ہدیہ دیتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں) اور خود نبی کریم ﷺ نے اپنی خالہ کے لئے جو مکہ میں تھیں اور کافرہ تھیں تحفے میں ایک کنیز کو بھیجا تھا۔

مجلس - ۱۶

۲۸ ربیع الاول ۷۶۲ھ کو جس وقت اس سگِ بارگاہ کو آستانہ بوسی کی سعادت نصیب ہوئی اس وقت حضرت مخدوم عظمہ اللہ تفکر کے فوائد بیان کر رہے تھے، آپ نے فرمایا التفکر مراۃ یری العبد فیها حسناته و سیاته (غور و فکر وہ آئینہ ہے جس میں بندہ اپنی نیکیوں اور برائیوں کو معائنہ کرتا ہے) یعنی اگر کوئی اپنی نیکیوں اور برائیوں کو دیکھنا چاہتا ہے تو غور وفکر کے آئینے میں دیکھ لے، تفکر ایسی چیز ہے۔

اس وقت شیخ معز الدین نے عرض کیا ___ تو گویا اتنی اہم چیز تفکر ہے!

حضرت مخدوم نے فرمایا ___ جی ہاں! بشرطیکہ توفیق بھی ہو یعنی اس کے ساتھ ساتھ توفیق بھی ہونی چاہئے، اس لئے کہ توفیق اور عمل میں چولی دامن کا ساتھ ہے، بندہ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو توفیق اس کے ارادے کے ہمرکاب ہوتی ہے۔ لیکن ہاں! دیکھئے! اس بات سے عام لوگ

شوخ اور بے ادب ہو جائیں گے، لوگ یہ کہنے لگیں گے کہ اگر توفیق ہوتی تو یہ کام کرتے، حالانکہ لوگوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ ان کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ توفیق نہیں ہوئی اور کام کرنے سے پہلے ہی کہدیا کہ توفیق نہیں ہوئی، یہ کہاں سے معلوم کرلیا کہ توفیق ہوگی یا نہیں ہوگی۔ یہ بات تو جبریوں کے عقیدے سے ملتی جلتی ہے۔ سنئے! استطاعت کی تین قسمیں ہیں۔

۱. استطاعتِ اعمال

۲. استطاعتِ افعال

۳. استطاعتِ احوال

- ''استطاعتِ اعمال'' سے زادِ سفر اور سواری مراد ہے۔
- ''استطاعتِ افعال'' سے اعمال کے لئے صحت مند اور تندرست اعضاء مراد ہیں جو حرکت و جنبش اور حکمت کے لئے فعل پر مقدم ہیں۔
- ''استطاعتِ احوال'' سے فعل کے لئے جو ہمت و قوت چاہئے وہ مراد ہے، یہ فعل سے نہ پہلے ہے اور نہ بعد۔ بلکہ فعل کے ساتھ ساتھ ہے۔

اس کے بعد فرمایا___ دو ہی چیزیں ہیں___ ایک توفیق___ دوسری خذلان۔

توفیق کے معنی ہے اللہ تعالیٰ کا بندے کو خیر کے لائق بنانا۔ اور خذلان کے معنی ہیں الخذل والخذلان یعنی ذلیل و رسوا کر کے چھوڑ دینا۔

لہٰذا جو شخص اپنے اندر کسی اچھے کام کو پائے تو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو خیر کے لائق بنا دیا ہے۔ اور جو برے اعمال کا مرتکب ہے وہ بد بخت ہے اس کو ذلت و رسوائی کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔

حضرت مخدوم عظمہ اللہ جب اس جملے پر پہنچے تو فرمایا سعادت و شقاوت کو اسی نکتے سے سمجھنا چاہئے۔

اس کے بعد نیّت کی بات ہونے لگی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا ___ اگر کسی مومن کو ابھی عملِ خیر کا موقع حاصل نہیں ہے تو وہ عملِ خیر کی نیّت تو کرسکتا ہے، عمل کا ثواب حاصل نہیں ہوگا مگر نیت کا ثواب ملتا رہے گا۔

خاکسار نے عرض کیا ___ نیت میں سچائی ہے یا نہیں اس کا علم اپنے آپ کو کیسے ہوگا؟ ارشاد ہوا ___ اگر دل کسی کام کے کرنے کا تقاضا کرے اور اس کام کے پایہ تکمیل تک نہ پہنچنے کی صورت میں دل میں حسرت وافسوس ہو تو سمجھ جائے کہ نیت میں صداقت وسچائی ہے اور اگر یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو سمجھ لیجئے کہ جھوٹی نیت ہے اور کھوٹ ہے۔

جس وقت یہ گفتگو ہو رہی تھی اس وقت میراں ولی علیہ رحمۃ کے رشتہ دار سید حسین مجلس شریف میں حاضر تھے، انہوں نے عرض کیا ___ اگر کسی شخص نے خیر کی نیت کی اور اس عمل خیر کی ادائیگی کے لائق ہونے پر اس کام کو انجام نہیں دیا، ایسی صورت میں اس نیت کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟

حضرت مخدوم نے فرمایا ___ سمجھ لیجئے کہ نیت میں صداقت نہیں تھی بلکہ جھوٹی نیت تھی۔ اگر وہ شخص اپنی نیت میں سچا ہوتا تو جیسے ہی اس کام کے لائق ہوتا کر دیتا، ترک نہیں کرتا۔

اس کے بعد ارشاد ہوا ___ نیت ایک بہت مشکل کام ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ مومن کو چاہئے کہ اچھے کاموں کی نیت ہمیشہ کرتا رہے۔ اگر اس کام کے لائق نہیں بھی ہوا تو نیت کے ثواب سے محروم نہیں رہے گا۔ عمل کا ثواب نہیں ملے گا مگر نیت کا اجر وثواب ملتا رہے گا۔

حضرت مخدوم عظمہ اللہ کی گفتگو جب یہاں پر پہنچی تو فرمایا ___ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَعْمَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَنِیَّاتِکُمْ (بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا اور نہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے بلکہ وہ تمہارے دلوں کو اور تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے)۔

قلوب سے نیت اور باعث مراد ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے موت کو سمجھنا ہوگا۔ ہر شخص

یہ جانتا ہے کہ اس کی زندگی کیسے کاموں میں گذر رہی ہے اور یہ بات طے ہے کہ جس حال میں موت آئے گی اسی حال میں حشر ہوگا۔ یعنی نیت کے مطابق حشر ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا___ مشائخ کا کوئی کام نیت سے خالی نہیں ہوتا ہے، ان کے حرکت و سکون میں کوئی نہ کوئی نیت ضرور پوشیدہ رہتی ہے، اگر کھاتے ہیں تو اس میں بھی ان کی نیت ہوتی ہے۔ کہیں جاتے ہیں تو اس سفر میں بھی ان کی نیت پوشیدہ رہتی ہے، کسی سے کچھ لیتے ہیں تو وہ بھی نیت سے، اگر نہیں لیتے ہیں تو اس میں بھی نیت ہوتی ہے، یعنی ان کا کوئی عمل نیت سے خالی نہیں ہوتا، تمام جائز و درست امور نیت (کی درستگی) کی وجہ سے ان کے لئے عبادت ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ آدمی کے کاموں کا انحصار نیت پر ہے۔ اور ہر شخص کی نیت اس کے علم کے مطابق ہوتی ہے۔ کوئی حج کے لئے جاتا ہے کوئی نہیں جاتا، کوئی ۔ ،ل بھر روزہ دار رہتا کوئی روزہ نہیں رکھتا۔ ہر شخص کی نیت الگ الگ ہوتی ہے۔ عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب میں لکھا ہے کہ کس طرح نیت پر عمل کیا جاتا ہے۔ اگر کسی کو فاتحہ میں اس لئے لگا دیں کہ ان کی زیارت ہوگی تو ایسا نہیں ہو سکتا اس لئے کہ فاتحہ پڑھنے والے کی نیت کچھ ہے اور وظیفہ میں لگانے والے کی نیت کچھ اور۔

شیخ معز الدین نے عرض کیا___ دل کے تزکیہ سے پہلے دل میں نیت کا وجود ہوتا ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ نیت دل کا عمل ہے۔

حضرت مخدوم نے فرمایا___ نیت موجود رہتی ہے لیکن خلط ملط رہتی ہے۔ خالص نیت بہت کم ہوتی ہے اور ہر شخص کی نیت اس کے مناسب و لائق ہوتی ہے۔ اگر کسی کے دل میں دنیا کی محبت غالب ہے تو اس کے دل میں جو نیت بھی ہوگی وہ دنیاوی ہوگی اگر چہ وہ نماز پڑھے، روزہ رکھے یا صدقہ دے، سب کے پیچھے وہی دنیاوی محبت کارفرما ہوگی۔ جو جس خیال میں لگا رہتا ہے اس سے اسی عمل کا صدور ہوتا ہے۔ اسی طرح جس کا دل آخرت کی محبت سے بھرا ہوتا

ہے اور آخرت کی محبت دل پر غالب رہتی ہے اس کے دل کی ہر نیت آخرت سے متعلق ہوتی ہے چاہے وہ کھانا ہو یا سونا ہو۔ ہر کام کو وہ آخرت کی نیت اور دین سمجھ کر کرتا ہے۔ اگر کسی کا دل دنیاوی آلائشوں سے پاک ہے اور خداوند ذوالجلال کے جلال و جمال کا نیئر تاباں اس کے افق دل کو منور کئے ہوئے ہے تو سمجھ جائیے کہ اس کے دل کو اللہ رب العزت کی معرفت حاصل ہے۔

مجلس - ۱۷

پہلی ربیع الآخر ۶۲ےھ پیر کے دن آستانہ بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضرت مخدوم عظمہ اللہ اپنے چند احباب کے ساتھ ملک محمود متصرف خطہ بہار کے باغ کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ چند عزیزان جیسے خواجہ نصیر الدین دیوالی وغیرہ پہلی تاریخ کی مبارک باد پیش کرنے کے لئے آستانہ عالیہ میں حاضر ہوئے اور جب ان کو معلوم ہوا کہ حضرت مخدوم باغ کی طرف تشریف لے گئے ہیں تو وہ عزیزان بھی وہیں پہنچ گئے۔

اسمائے باری تعالیٰ کے موضوع پر گفتگو ہونے لگی، حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے سو نام آئے ہیں جن میں ننانوے (۹۹) نام ظاہر کئے گئے ہیں اور ایک نام جو اسمِ اعظم ہے اس کو پورے قرآن میں پوشیدہ رکھ دیا گیا ہے۔

خواجہ نصیر الدین دیوالی نے عرض کیا ___ وہ نام کون سا ہے یہ معلوم ہوا؟

حضرت مخدوم نے فرمایا ___ لوگوں نے الگ الگ دلیلیں پیش کی ہیں اور ہر شخص نے اپنی اپنی دلیل کی روشنی میں اسمِ اعظم بتایا ہے۔

پھر خواجہ نصیر الدین مذکور نے عرض کیا سب سے صحیح دلیل کس اسمِ اعظم کے متعلق ہے؟

ارشاد ہوا ___ جگہ جگہ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ کو لکھا ہے، اور تفسیر میں بھی یہی ہے۔

اس کے بعد فرمایا ـــــ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف نے بلقیس کے تخت کو لانے کے وقت اسی اسمِ اعظم کو پڑھا تھا اور پورا واقعہ اس طرح ہے ـــــ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک روز فرمایا کہ بلقیس آرہی ہیں، کہا جاتا ہے کہ ان میں دو خرابیاں ہیں، ایک تو یہ کہ ان کو دانائی اور عقلمندی حاصل نہیں اور دوسری یہ کہ ان کی پنڈلی میں بال ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں یہ خیال گذرا کہ ان دونوں خرابیوں کا امتحان لیا جائے، لہٰذا بلقیس کے آنے سے پہلے ان کے تخت کو منگوالیا جائے۔ حضرت نے ایک مسلمان دیو کو حکم دیا کہ تم بلقیس کے تخت کو لاسکتے ہو؟ اس نے کہا جی ہاں! لاسکتا ہوں۔ آپ نے دریافت کیا کتنی دیر میں؟ دیو نے کہا جتنی دیر میں پیغمبرِ خدا اپنے اس مقام سے اٹھیں گے جہاں بیٹھ کر حکمرانی کرتے ہیں اور آپ فجر کی نماز سے چاشت تک اس جگہ تشریف رکھتے جہاں سے نظامِ حکومت چلایا کرتے۔ یعنی دیو کے کہنے کے مطابق تخت لانے میں ایک پہر (تین گھنٹے کی مدت) لگے گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ اس سے بھی جلدی لایا جائے۔ اس وقت آپ کے وزیر آصف سامنے آئے اور عرض کیا میں اس سے بھی پہلے لاسکتا ہوں۔ دریافت کیا کتنی دیر میں؟ آصف نے کہا پلک مارتے۔ پھر اسی وقت زمین پھٹی اور بلقیس کا تخت باہر آگیا۔

اب بلقیس کے آنے سے پہلے ان کے دونوں عیوب کا امتحان لینا تھا اس کے لئے یہ ترکیب کی گئی کہ بلقیس کے پہنچنے سے پہلے ہی ان کے تخت کے بعض حصے میں تبدیلی کردی اور پہلی ہیئت باقی نہیں رکھی اور بعض حصے کو پہلے ہی کی طرح رہنے دیا اور دوسرا کام یہ کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے قریب ایک نہر تھی وہیں پر بلقیس کے تخت کو کھڑا کردیا گیا اور بلقیس کو اس نہر کے اوپر سے (جس پر شیشہ لگا ہوا تھا) گذر کر محل میں جانے کے لئے کہا گیا۔ جیسے ہی اس نہر کے اوپر سے گذرنے لگیں اپنے پائجامہ کے پائچے کو اوپر اٹھالیا، ان کی پنڈلی کھل گئی اور حضرت سلیمان نے دیکھ لیا کہ بال نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا ایک عیب کی جانچ ہوگئی اب دیکھنا یہ ہے کہ ان کے اندر عقلمندی اور دانائی ہے یا نہیں؟ اس کے لئے وہی تخت ان کے سامنے کیا گیا اور پوچھا گیا **اَھٰکَذَا عَرْشُکِ** کیا آپ کا تخت بھی

اسی طرح کا ہے؟ بلقیس نے تخت کی طرف نگاہ کی اور دیکھا کہ کچھ چیزیں میرے اپنے تخت کے جیسی نظر آ رہی ہیں اور پہلی ہیئت میں جو قدرے تبدیلی کر دی گئی تھی اس کو دیکھنے کے بعد ان کے دل میں خیال گذرا کہ یہ وہ نہیں ہے۔ لیکن انہوں نے نہ واضح اقرار کیا اور نہ کھل کر انکار کیا بلکہ یوں کہا کہ دانشمندوں کی زبان میں یہی کہا جائے گا کہ نہ یہ کہو کہ میرا تخت نہیں ہے اور نہ یہ کہو کہ میرا تخت ہے بلکہ کانہ ھو [النمل ر ۴۲] گویا کہ وہی ہو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کا جواب سن کر یہی فیصلہ کیا کہ بلقیس کو دانائی و عقلمندی حاصل ہے۔

اس کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا ــــ کتابوں میں تحریر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار نام ہیں، جن میں سے تین سو توریت میں ہیں، تین سو انجیل میں، تین سو زبور میں اور ایک سو قرآن مجید فرقان حمید میں آئے ہیں، ان سو ناموں میں ننانوے نام تو ایسے ہیں جو ظاہر کر دئے گئے ہیں اور ایک نام کو پورے قرآن میں پوشیدہ رکھ دیا گیا ہے۔

خواجہ ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا ــ اسمِ اعظم کون ہے؟

آپ نے فرمایا ــ پیٹ اور منہ کو پاک رکھو اس کے بعد اللہ کو جس نام سے پکارو وہی اسمِ اعظم ہے۔

مجلس - ۱۸

۶ ر ربیع الآخر ۶۲ ء ھ سنیچر کو آستانہ بوسی کی دولت نصیب ہوئی، گفتگو کا عنوان تھا امام شافعی انا مومن انشاء اللہ (میں مومن ہوں اگر اللہ نے چاہا) کہنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

خاکسار نے عرض کیا ــ جب میں پنڈوہ میں تھا تو وہاں قطب مسند سے ملنے کا موقع ملا، اسی موضوع پر ان سے گفتگو ہونے لگی۔ انہوں نے کہا ــ ایسا کہنا صریح تردد یعنی شک وشبہ

میں پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حنفی مذہب کے لڑکے کا شافعی مذہب کی لڑکی سے شادی کرنا جائز نہیں ہے۔اس لئے کہ وہ تو اس کفریہ کلمے کی قائل ہے۔

خاکسار نے ان کا یہ جملہ حضرت مخدوم کے سامنے دہراتے ہوئے عرض کیا ___ حضور کی نگاہِ مبارک سے کہیں گذرا ہے کہ ایسا کہنے والے کو کافر کہا جائے۔

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا ___ اہل سنت والجماعت کے فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو ایمان میں شک کرتا ہے فانہ یصیر کافرا 'وہ بیشک کافر ہو جاتا ہے اور ایمان میں شک کا معنی یہ ہے کہ اگر کوئی خدا اور اس کے رسول کو پہچانتا ہے اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا ہے اس کے باوجود وہ شک کرتا ہے کہ یہ ایمان کے رو سے ہے یا کفر کو زائل کرنے کے لئے ہے۔اگر ایسی بات نہیں ہے لیکن جہاں ایمان ہی میں شک پیدا ہو جاتا ہے وہاں پر تو بات ہی دوسری ہے اور ایسے شخص کو یا کافر کہا جا سکتا ہے۔لیکن حکم یہ ہے کہ یہ دیکھ لیا جائے کہ اس شخص میں کفر کا شبہ ہے یا نہیں؟

اور اگر کفر کا شبہ نہیں ہے تو ایسی صورت میں گالی دینے والا کافر ہو جائے گا، لیکن اگر کوئی فاسق ہے اپنے فسق و فجور پر ڈٹا ہوا ہے اور علومِ دین نہیں رکھتا ہے تو اگر کوئی اس کو یا کافر کہتا ہے تو کافر نہیں ہوگا اور اگر اس کے ایمان میں شک بھی کرتا ہے تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

اب میں اس مضمون کی طرف آتا ہوں کہ اپنے ایمان کے لئے انشاء اللہ کہنے کی گنجائش ہے یا نہیں اور انا مومن انشاء اللہ کہنے میں شک پایا جاتا ہے یا نہیں؟ بعض فقہاء کہتے ہیں ایسا کہنے سے شک کا اظہار ہوتا ہے اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ شک نہیں ہے۔یہ روایت تمہیدات ابوشکور سالمی میں موجود ہے۔جب اختلاف پیدا ہو گیا تو پھر تکفیر یعنی کافر کہنا کیا معنی رکھتا ہے۔دوسری بات یہ بھی ہے کہ جگہ جگہ استثناء سے کام لیا گیا ہے اس کا حال معلوم نہیں۔عند الموت غایت مافی الباب.

اور بہت جگہ دیکھا گیا ہے کہ انشاء اللہ جو کہتے ہیں وہ ادباً کہتے ہیں، تردد اور شک میں نہیں کہتے ہیں۔ اہم معاملہ یہ ہے کہ اس کو استدلال میں غلطی کہیں گے اور اگر مجتہد استدلال میں غلطی کرتا ہے تو یہ کفر نہیں ہے۔

ہمارے مذہب میں یہ بات فی الحال ایمان میں تردد وشک ہے لیکن ایمان میں تردد وشک کفر نہیں ہے۔ بہتر اور پسندیدہ اور اچھی بات یہ ہے کہ دوسروں کو کافر کہنے میں لگے نہ رہیں۔ مومن کو کافر کہنا یہ ایک مشکل امر ہے۔ جب اہل قبلہ کو بدعت میں مبتلا ہونے کے باوجود کافر کہنے کی ممانعت ہے تو پھر اہل سنت والجماعت کو کافر کہنا کیسے درست ہوگا۔ جانتے ہیں اہل سنت وجماعت کون لوگ ہیں؟ سنئے! **جو لوگ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عقیدے پر ہیں وہ اہل سنت و جماعت ہیں اور وہی سُنّی ہیں۔**

اس کے بعد حضرت امام شافعیؒ کے مناقب بیان کرنا شروع کر دیا اور فرمایا ___ آپ سید تھے اور بزرگی پر فائز تھے، ان کی بزرگی کا یہ عالم تھا کہ بارہ سال کی عمر میں خانہ کعبہ تشریف لے گئے اور وہاں منبر سے اعلان کیا سلونی من تحت العرش مجھ سے عرش کے نیچے کی باتیں دریافت کیجئے یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ صرف بارہ سال کے تھے۔

حاجی علی نے عرض کیا ___ یہ جو کہا گیا ہے کہ چاروں مذہب حق ہے اس سے کیا مراد ہے؟

حضرت مخدوم نے فرمایا ___ اس قول کی تاویل کی جائے گی بغیر تاویل کے درست نہیں ہوگی، مثلاً کسی مسئلے میں کوئی کہتے ہیں کہ جائز ہے اور کوئی کہتے ہیں کہ جائز نہیں ہے۔ جائز اور ناجائز دونوں ایک نہیں ہو سکتے، یا تو جائز ہوگا یا ناجائز ہوگا اس لئے کہ ایک ہی مسئلہ میں دونوں باتیں نہیں ہو سکتی ہیں۔ ایسی صورت میں اس مسئلے میں تاویل کی جائے گی کیونکہ چاروں مذہب حق ہے اور چاروں مذہب کا مقصد حق کی طلب ہے۔ جنہوں نے جائز قرار دیا انہوں نے اپنے اجتہاد کے ذریعے حق کی تلاش کی، ان کو جائز نظر آیا اور انہوں نے جائز کہدیا اور جنہوں نے ناجائز قرار

دیا انہوں نے بھی اپنے اجتہاد سے کام لے کر حق کی تلاش کی ان کو ناجائز نظر آیا اور انہوں نے
ناجائز کہہ دیا۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مذہب والے حق کی طلب میں لگے رہے، جو کچھ کہا
ہے وہ حق کے لئے کہا ہے اپنی خواہشِ نفسانی کو اس میں دخل نہیں دیا ہے۔ یا اس کی تاویل یہ کی
جائے گی کہ چاروں مذاہب اہلِ سنت والجماعت کے ہیں۔

خاکسار نے عرض کیا ــــ نکاح بنت مخلوقہ من ماء الزنوا
امام شافعیؒ نے کس دلیل سے ایسا فرمایا ہے؟
ارشاد ہوا ــــ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس کو ورثہ نہیں ملتا۔ اگر شریعت کی نگاہ میں بیٹی ہوتی
تو میراث پاتی اور دوسری دلیل یہ ہے کہ نسب ثابت نہیں ہوتا اگر بیٹی ہوتی تو نسب ثابت ہوتا۔

مجلس - ۱۹

۷ ربیع الآخر ۶۲ھ اتوار کو آستانہ بوسی کی سعادت سے بہرہ مند ہوا۔ حجاب کے
موضوع پر گفتگو ہونے لگی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا ــــ حجاب دو ہیں۔ ایک نورانی اور دوسرا
ظلماتی۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ سبعین الف حجاب من
نور و ظلمت حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ستر ہزار
حجاب ہیں جن میں نورانی بھی ہیں اور ظلماتی بھی۔ خواص کی جو نفسانی صفات ہیں وہ عناصر اربعہ
سے نکلی ہیں اور وہ سب ظلماتی ہیں اور خواص کی جو روحانی صفات ہیں وہ لطیفہ سے نکلی ہیں اور وہ
سب نورانی ہیں۔ مرید جب تک ان تمام نورانی وظلماتی حجابوں سے باہر نہیں آتا ابھی تک وہ
سلوک میں ہے اور اللہ رب العزت کی نورانیت سے محجوب ہے۔ سالک کو جس طرح ظلماتی
حجاب سے نکلنا ضروری ہے اسی طرح نورانی حجاب سے بھی نکلنا ضروری ہے۔ حجاب کے اعتبار

سے ظلماتی ہو یا نورانی دونوں برابر ہیں، جس طرح ظلماتی حجاب ہے اسی طرح نورانی حجاب بھی ہے۔ ظلماتی حجاب سے نکلنا آسان ہے اس لئے کہ دل میں نہ اس کی کوئی جگہ ہوتی ہے اور نہ اس کی طرف التفات ہوتا ہے لیکن اسی کے برعکس نورانی حجاب سے نکلنا مشکل ہے اس لئے کہ دل میں اس کی جگہ ہوتی ہے اور دل اس کی طرف ملتفت رہتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا___ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سالک کو کوئی مسئلہ پیش آجاتا ہے اور وہ کام شراب خانہ میں جانے کے بغیر حل نہیں ہوتا اور اس زمانہ میں شراب خانہ، خانہ کعبہ ہے۔ رباعی

در بتکدہ گر خیال معشوقہ ماست ☆ رفتن بطواف کعبہ از عقل خطاست

گر کعبہ از و بوئے ندارد کنش ست ☆ با بوئے وصال او کنش کعبہ ماست

(اگر ہمارے معشوق کا خیال بتکدہ میں حاصل ہے تو ایسی صورت میں طواف کے لئے کعبہ جانا دانشمندی نہیں۔ اگر کعبہ میں اس کی خوشبو نہیں تو ایسا کعبہ بتخانہ ہے اور جس بتخانہ میں اس کی خوشبو ملے وہی میرے لئے کعبہ ہے)۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سالک کو کوئی مسئلہ پیش آجاتا ہے اور وہ کام زنار باندھنے کے بغیر حل نہیں ہوتا۔ اس زمانہ میں دستار گردن کا زنار ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی مقصد سالک کے سامنے ایسا آجاتا ہے کہ وہ بتخانہ کو اپنی مسجد بنالیتا ہے۔

اس ارشاد گرامی کے بعد حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا___ یہ وہ مقام ہے جہاں اصحاب قناعت اور ارباب ظاہر کی گذر نہیں۔ یہ بلند ہمت والوں کے کام ہیں۔ یہ وہ ہمت ہے جہاں حق کے سوا کسی دوسرے کی گذر نہیں، چاہے وہ فردوس بریں ہی کیوں نہ ہو۔ اگر ان کے اور حق تعالیٰ کے درمیان ایک حجاب بھی باقی رہ جاتا ہے تو ازروئے حجاب اپنے کو کافر و مشرک کے برابر سمجھتے ہیں۔ غیر کے ساتھ زندگی گذارنے سے ہلاکت کی نذر ہوجانا کہیں بہتر ہے، کعبہ کے راستے میں کسی جنگل میں جان دیدینا اس حج سے کہیں افضل ہے جس میں شرط کی ادائیگی نہ ہو اسی لئے کہتے ہیں اما ھلک اما ملک (جس نے اپنے کو ہلاک کیا وہی مالک ہوا) اگر مقصود

حاصل ہوگیا تو زندگی مل گئی اور اگر ہلاکت حصے میں آئی تو پھر کیا ہے الدیته علیٰ قاتله خون بہا قاتل پر ہے کے قانون کے تحت من قتلته فانا دیته جس کو میں قتل کرتا ہوں اس کا خون بہا میں ہو جاتا ہوں کی خوشخبری ہے۔

عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر جگہ فرمایا ہے کہ ___ مخنثوں کا دین دوسرا ہے اور مردوں کا دین دوسرا۔

اس کے بعد فرمایا کہ کوئی جتنی دیر کے لئے شراب خانے میں جائے گا اور وہاں بیٹھے گا اتنی دیر اس کو ایسی ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا کہ اس کی ساری عزت و ناموری خاک میں مل جائے گی۔

اس وقت مولانا ابو حنیفہ دام تقواہ کے بھائی بایزید نے عرض کیا ___ بتخانہ میں جانے سے عزت مرتبہ اور ذوق کو کیوں داغ لگے گا؟

حضرت مخدوم نے فرمایا ___ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سب سے بری اور خراب جگہ ہے، وہ کافروں کی عبادت گاہ ہے وہاں صرف۔ کفار اور یہود جاتے ہیں مسلمانوں کو ان کی عبادت گاہوں میں نہیں جانا چاہیے، اب اگر کوئی اپنے آپ کو ایسی جگہوں میں لے جاتا ہے اور وہاں بیٹھتا ہے تو جانتے ہیں کیسی ذلت و رسوائی اٹھانی پڑے گی۔ یہ کام عقل والوں اور علم والوں کا نہیں ہے، یہ کام سکر والوں کا ہے۔ جب تک علم کا دخل ہے یہ کام درست نہیں کہا جاسکتا، اہل سکر کو اس کام میں وہ سکر حاصل ہوتا ہے جس کا تذکرہ بہت سارے اشعار و ابیات میں موجود ہے۔

اس کے بعد فرمایا ___ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ یہ سب مسلمانوں کے کام ہیں اور ان کی اپنی حیثیت ہے، لیکن محققین کے کام ہی دوسرے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جو لوگ صرف نماز، روزہ اور شریعت کے دوسرے امور ظاہری میں لگے رہتے ہیں وہ ماسوا اللہ پر قناعت کر لیتے ہیں، اس سے جو اعلیٰ مقام ہے اس کی طرف ترقی نہیں کرتے، اس سے کمتر مقام پر قناعت کر لیتے ہیں، اسی کو بے ہمتی کہتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا____ قناعت دو ہیں ایک قناعتِ دنیاوی اور دوسرا قناعتِ اخروی۔
دنیاوی معاملات میں قناعت لائق تعریف ہے اور اخروی معاملات میں قناعت قابل مذمت
ہے۔ اخروی قناعت کا تعلق راہِ سلوک سے ہے۔ ایک اعلیٰ مقصد حاصل ہو جانے کے بعد اسی پر
ٹھہر جانا اور اس سے آگے کی منزل کی طلب کا نہ ہونا یہی اخروی قناعت ہے۔

پھر بایزید مذکور نے عرض کیا____ سالک بعض وقت اپنی حتی المقدور کوشش کے مطابق
بت خانہ یا شراب خانہ چلا جاتا ہے یا زنار باندھ لیتا ہے جیسا کہ حضرت نے فرمایا، لیکن شریعت
میں تو اس کی اجازت نہیں، پھر بت خانہ جانا یا زنار باندھنا کیونکر درست ہوگا؟

حضرت مخدوم نے فرمایا____ گرچہ یہ عمل بظاہر شریعت کے مطابق نہیں ہے لیکن معنی
کے اعتبار سے دین کے خلاف بھی نہیں ہے۔ یہ حضرات دین کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور شریعت
کی خوب واقفیت رکھتے ہیں، اس لئے ان کا ہر عمل شریعت کے مطابق ہوتا ہے مخالف نہیں۔
بظاہر وہ جو معلوم ہو۔ اس کو یوں سمجھئے کہ مسجد کا توڑنا شریعت میں حرام ہے لیکن اگر کوئی اس خیال
سے مسجد کو شہید کرتا ہے کہ اس سے خوبصورت اور مضبوط مسجد تعمیر کی جائے تو اس خیال سے مسجد کا
شہید کرنا جائز اور درست ہے۔ اسی طرح امام کے فرض شروع کر لینے کے بعد اگر کوئی فجر کی
سنت پڑھتا ہے تو بظاہر یہ شرع کے خلاف معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود شرع نے اس کو جائز
قرار دیا ہے اور یہ معناً شرع کے مطابق ہے، اس لئے کہ سنّت تو فرض میں کمال پیدا کرنے کے
لئے ہے۔ چنانچہ محققین کی جماعت جو کچھ کرتی ہے وہ ظاہر میں شریعت کے مخالف معلوم ہو لیکن
معناً اس کی کچھ نہ کچھ اصل ضرور ہوتی ہے۔ اہل ظاہر تو ظاہر ہی تک رہ جاتے ہیں اور وہ اپنی اسی
ظاہری نظر سے دیکھ کر انکار کرنے لگتے ہیں لیکن ان ظاہر بین لوگوں کے انکار سے ان حضرات پر
کوئی اثر نہیں پڑتا، اس لئے کہ وہ تو اپنے ہی مقام سے باتیں کرتے ہیں اور محققین حضرات جس
مقام سے باتیں کرتے ہیں اس کے وہی حقدار ہیں اور یہ جو اصول پیش کرتے اس کی سند کتاب
ہی سے لیتے ہیں یہ اور بات ہے کہ وہاں تک اہل ظاہر کی پہنچ ہی نہیں ہوتی۔

حضرت عین القضاۃؒ اس معنی سے متعلق یوں فرماتے ہیں ـــ یہ سب باتیں کتاب میں نہیں ہیں، مگر کتاب میں تلاش کرو۔ اسی طرح ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ـــ اس طرح کی باتیں کتاب میں نہیں ملیں گی مگر کتاب سے باہر بھی نہیں ہیں ۔ وہ اعمال جن کو ارباب بصیرت بروئے کار لاتے ہیں بظاہر تو وہ لوح محفوظ میں کھول کر بیان نہیں کئے گئے ہیں مگر اشارتاً سب موجود ہیں۔ آپ نے جو فرمایا کہ کتاب میں نہیں ہے اس سے مراد یہ ہے کہ بظاہر ایسی آیات نہیں ہیں۔ اور پھر یہ کہنا کہ کتاب میں تلاش کیجئے کتاب سے باہر نہیں ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ کتاب میں اشارتاً سب کچھ بیان کر دیا گیا ہے۔

پھر فرمایا ـــ لوگ اصحاب نقل ہیں یا ارباب عقل و فکر ہیں ۔ جماعت محققین کے مشائخ تو ان سب سے کہیں آگے ہیں، جو باتیں ارباب عقل و نقل سے پوشیدہ ہوتی ہیں وہ محققین کے سامنے ہوتی ہیں، ارباب عقل و نقل نے جن باتوں کو علم معرفت سے نقل کیا ہے وہ باتیں حضرات محققین پر منکشف رہتی ہیں۔ یہ حضرات اہل وصال ہیں اور وہ لوگ اہل استدلال۔ ملت اسلامیہ میں کوئی دور ایسا نہیں گذرا جس میں جماعت محققین کے کوئی بزرگ ایسے نہیں رہے ہوں جن کو علم توحید میں درک حاصل نہ ہو، جن کے سامنے اس عہد کے علماء وائمہ نے سر نہ جھکایا ہو، جن کا اعزاز واحترام نہ کیا ہو اور جن کو بڑا نہ سمجھا ہو۔ اگر ان کا مرتبہ اور مقصد بلند نہ ہوتا اور ان کے پاس مستحکم دلیل نہ ہوتی تو پھر معاملہ ہی برعکس ہوتا۔ لہٰذا یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ ان کے تمام کاموں کی بنیاد دلائل و براہین پر ہوتی ہے اور سب کتاب وسنت ہی سے ماخوذ ہوتے ہیں، ان حضرات کے بارے میں یہی اعتقاد رکھنا چاہیے۔

مجلس - ۲۰

۱۲ ربیع الآخر ۶۲ ھ جمعہ کے دن آستانہ مبارک کی زمیں بوسی کا شرف حاصل ہوا۔

گفتگو ہو رہی تھی کہ شوق ورغبت کے زیرِ عنوان اس مصرع جمال در نظر و شوق همچناں باقی کو کس معنی پر محمول کریں گے؟

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا شوق اس معنی میں ہے کہ اس کے جمال با کمال کی کوئی حد ونہایت نہیں۔ اور اس کا ادراک واحاطہ بھی ممکن نہیں۔ جب اس کے جمال کا یہ عالم ہے تو پھر نظر (دیکھنے) کے باوجود شوق اور طلب باقی وموجود رہے گا۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ طلب ابدی ہوتی ہے۔

اس وضاحت کے بعد حضرت مخدوم نے ارشاد فرمایا کہ ___ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کوئی حد ونہایت نہیں، اور اس کی صفات تک اگر کوئی پہنچنا چاہے اور اس کا احاطہ کرنا چاہے تو یہ بھی ناممکن ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات کے ساتھ خود محیط ہے محاط (گھرا ہوا) نہیں ہے۔ اس کی صرف ایک صفت علم ہی کو لے لیجئے۔ اگر کوئی چاہے کہ اس کی صفتِ علم کا درک حاصل کرے تو نہیں کرسکتا۔ اسی طرح تمام صفات کو سمجھ لیجئے۔

آپ کے برادرِ خالتی مولانا نظام الدین نے عرض کیا ___ عاشق تو اپنے معشوق کی بربادی کو پسند نہیں کرتا پھر بی بی زلیخا کا یہ کہنا مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ [یوسف/۲۵] (کیا سزا ہے اس کی جو ارادہ کرے تیری بیوی کے ساتھ برائی کا بجز اس کے کہ اسے قید کردیا جائے یا اسے دردناک عذاب دیا جائے) کس معنی میں ہے؟

حضرت مخدوم نے فرمایا ___ بی بی زلیخا نے ایسا کہہ کر اپنی حفاظت کے لئے بہانہ بنایا جناب یوسف علیہ السلام کو برباد کرنے کے ارادے سے ایسا نہیں کہا ہے۔ دیکھتے نہیں کہ انہوں نے اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ (قید کیا جائے) کہا الا ان يقتل (قتل کردیا جائے) نہیں کہا۔ اور یہ تو ابتدائے عشق کا معاملہ تھا یعنی جب عشق اپنی ابتدائی منزل میں تھا یہ اس وقت کا حال تھا کہ خود کو چھپالیا بہانہ بنالیا تاکہ راز فاش نہ ہوجائے۔ اور جب زلیخا کے شوہر باہر سے اندر آئے اور زلیخا کو یوسف علیہ السلام کے ساتھ دیکھ لیا تو زلیخا خوفزدہ ہوگئیں اور سوچنے لگیں کہ کہیں مجھ پر الزام نہ آجائے اس لئے بہانہ بنالیا اور سارا قصور حضرت یوسف پر ڈال دیا۔ اگر وہ ایسا بہانہ اور حیلہ نہ کرتیں تو

خود تباہ و برباد ہو جاتیں۔ اور جب عشق اپنے کمالِ عروج پر پہنچ گیا تو یوں اظہار کیا اَلْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ [یوسف/۵۱] (اب سچی بات ظاہر ہو ہی گئی ہے کہ میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور وہ بے شک سچا ہے) یہ کہہ کر اپنے محبوب کو الزام سے بری کر کے سارا الزام اپنے سر لے لیا اور کوئی خلش باقی نہیں رکھی۔

سبحان اللہ! عشق بھی کیا کیا کہلوا دیتا ہے اور کیا کیا کرشمہ دیکھا دیتا ہے، عشق کے معاملات ہی عجیب ہیں۔

اگر کسی نے عشق کو آگ کہا تو دوسرے نے یہ کہہ کر تردید کی کہ اگر عشق آگ ہے تو پھر عاشق آنسوؤں میں غرق کیسے ہے، اگر کسی نے عشق کو پانی سے تعبیر کیا تو دوسرے نے یوں تردید کی کہ اگر عشق پانی ہے تو پھر ہزاروں عشاق سوختہ جاں کیسے ہیں، اگر کسی نے عشق کو نوازش و عطا کا نام دیا تو دوسرے نے یہ کہہ کر اس خیال کو رد کر دیا کہ اگر عشق نوازش و عطا ہے تو پھر عاشق نالہ و فریاد کیوں کرتا، اگر کسی نے کہا کہ عشق درد ہے تو دوسرے نے یہ کہہ کر اس کی بات کاٹ دی کہ اگر عشق درد ہے تو پھر عاشق خوشی و مسرت سے ہمکنار کیسے رہتا۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ــــ حضرت یوسف علیہ السلام سے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ آپ تو پیغمبر ہیں اور پیغمبروں کو کشفِ حال ہوتا ہے ان کو مقام سر حاصل رہتا ہے پھر حضرت یوسف کا یہ کہنا کہ اس نے مجھے اپنی طرف بلایا جیسا کہ قرآن کریم کی آیت بھی ہے قَالَ هِیَ رَاوَدَتْنِیْ (اسی نے مجھ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا) کس معنی میں لیا جائے گا؟

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا ــــ اس کا جواب یوں دیا جائے گا کہ یہاں پر حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ فرمانا اپنے تزکیہ (یعنی پاکبازی) کے اظہار کے لئے تھا اور اس کی یہی صورت تھی۔ یہاں پر زلیخا کے حال کو بیان کرنا مقصود نہیں تھا۔

خاکسار نے عرض کیا ــــ پیغمبروں کو جو منصبِ نبوت حاصل ہے اس لحاظ سے ان کے لئے تزکیہ نفس کس معنیٰ میں لیا جائے گا؟

ارشاد ہوا کہ ــــ آپ پیغمبر تھے، لوگوں کو دعوت دینے کی ذمہ داری آپ پر تھی اگر اس طرح اپنی پاکبازی کا اظہار نہیں کرتے تو پھر موردِ الزام واتہام ہوتے اور پیغمبر کو الزام واتہام سے پاک رہنا ہے تاکہ لوگوں کو ان پر پورا اعتماد ہو۔ اس طرح کا تزکیہ معناً درست ہے۔ ایسے ہی حضرات کے لئے کہا گیا ہے اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْم [یوسف/۵۵] (بے شک میں حفاظت کرنے والا اور اس کام سے واقف بھی ہوں۔)

پھر فرمایا ــــ ایک دفعہ یوسف علیہ السلام زلیخا کے مکان کی طرف سے کسی سواری سے جارہے تھے، جب زلیخا کو معلوم ہوا کہ آپ ادھر سے گذرنے والے ہیں تو اپنی کنیز سے کہا مجھے اس راستے میں لے جا کر کھڑا کر دو جدھر سے یوسف گذرنے والے ہیں۔ اس وقت زلیخا میں نہ جوانی باقی رہی اور نہ پہلے جیسا حسن و جمال تھا۔ بہر حال! کنیز نے ویسا ہی کیا اور یوسف علیہ السلام کی گذرگاہ پر زلیخا کو لے جا کر کھڑا کر دیا جیسے ہی حضرت یوسف وہاں پہنچے بی بی زلیخا سے سوال کیا یہ تو بتاؤ کہ مجھ سے جو محبت تھی اس عشق کا اب کیا حال ہے؟

زلیخا نے جواب دیا ــــ آپ کے ہاتھ میں جو کوڑا ہے وہ مجھے دے دیجئے۔ آپ نے دے دیا، زلیخا نے اس کوڑے سے (اپنے جسم پر) ایک ضرب لگائی وہ کوڑا پوری طرح جل کر خاک ہو گیا ــــ اس کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت یوسف کی محبت میں اس حد تک کمال کو پہنچ چکی تھیں.

مولانا نظام الدین نے عرض کیا جب ان کا عشق اس کمال کو پہنچ چکا تھا تو پھر مصر کی عورتوں کو جمع کر کے ان کے ہاتھ میں چھری اور لیمون کا دینا، اس وقت ان کے سامنے یوسف علیہ السلام کو کھڑا کر دینا اور دیدارِ یوسف میں ان عورتوں کا ایسا کھو جانا کہ بجائے لیمون، انگلیوں کو تراش لینا اور پھر اس وقت زلیخا کا اپنے حال پر صحیح وسلامت قائم رہنا یہ کیسا کمالِ عشق ہے؟

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے جواب دیا کہ ___ زلیخا اس امتحان سے گذر چکی تھیں بلکہ عادی ہو چکی تھیں اس لئے ان پر کوئی اثر نہیں ہوا اور زنانِ مصر نے پہلی بار اچانک دیکھا تھا اس لئے ان کے ساتھ وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔

پھر ظاہری اور باطنی درد کے موضوع پر گفتگو ہونے لگی۔ قاضی خاں دام علمہٗ نے عرض کیا ___ اگر کوئی بظاہر نماز روزے میں بہت زیادہ محنت نہیں کرتا ہے لیکن وہ اپنے سینے میں درد رکھتا ہے اور درد کے ہونے پر دل بھی گواہی دیتا ہے، ایسے حال میں کیا کہا جائے گا؟

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ___ جی ہاں! ایسا ہوتا ہے، کسی کے اندر کوئی چیز ہوتی ہے تو اس کی علامت ظاہر میں نظر آتی ہے اور اسی علامت سے وہ پہچانی جاتی ہے جیسا کہ ظاہری مرض میں ہوتا ہے۔ اگر کوئی بیمار ہے اور وہ مریض اپنی بیماری کو بیان نہیں کرتا لیکن ظاہری علامت سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص بیمار ہے۔

پھر فرمایا کہ ___ یہ درد بھی عجیب درد ہے، اس دردِ محبت کا تعلق آورد سے نہیں ہے بلکہ آمد سے ہے۔ اسی وجہ سے اس میں حیرانی بھی ہے۔ جو چیز کرنے کی ہے وہ لانے سے نہیں ہوتی اور نہ لانے سے آتی ہے۔ اور جب آ جاتی ہے یعنی جب عشق کا روگ لگ جاتا ہے تو پھر اس وقت محبوب کے سوا کوئی دوسری چیز نظر ہی نہیں آتی۔ اسی لئے محبت کی تعریف میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ المحبة نار فی القلوب یحرق ما سوی المحبوب محبت دلوں میں سلگنے والی وہ آگ ہے جو محبوب کے علاوہ ساری چیزوں کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔

مولانا نظام الدین مذکور نے عرض کیا خواجہ فرید الدین عطارؒ کا شعر ہے۔

کفر کافر را و دیں دیندار را

ذرۂ دردت دلِ عطار را

اس شعر میں درد کا ذکر آیا ہے اس سے دردِ محبت مراد ہے یا کمالِ دین؟ جواب سے نوازا جائے۔

ارشاد ہوا ___ دین ہے کیا! شریعت کے احکام کی پابندی اور منہیات سے باز رہنا ہی تو دین ہے۔ لیکن عشق کے معاملات تو ان سے کہیں آگے ہیں اس کے لئے الگ جماعت ہی مخصوص ہے ان لوگوں کی ہمت بہشت تک نہیں ہوتی بلکہ مالکِ بہشت تک ہوتی ہے اس موضوع پر شعرا کے بہت سارے اشعار ہیں۔ جب عشق کا روگ لگ جاتا ہے تو اس وقت عقل اپنا بستر لپیٹ لیتی ہے یعنی عقل مغلوب اور معطل ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور جب عقل ہی رخصت ہو گئی تو پھر اس وقت انسان مکلّف نہیں رہتا، اس لئے کہ مکلّف ہونے کی ذمہ داری عقل پر ہے، اسی لئے پاگلوں اور بچوں کو مکلّف نہیں بنایا گیا ہے، عشاق کے تمام معاملات اس بات پر شاہد ہیں کہ ان کے کام مقامِ عقل سے پرے ہوتے ہیں، عقل ان سے کیا کام لے گی، عاشق تو محکومِ عشق ہوتا ہے وہ تو وہی کرے گا جو عشق کا حکم ہو گا اس کے علاوہ اس کو اور کچھ نہیں کرنا ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ تم شاگرد بن جاؤ اور عشق کو اپنا استاد بنا لو۔ عشق ایک ایسا کام ہے اور ایسی بلاء و آزمائش ہے جو تمام کاموں سے اعلیٰ و ارفع ہے گروہِ صوفیاء کا کہنا ہے کہ عشق بندے کو خدا تک پہنچا دیتا ہے۔ لہٰذا عشق طالب کے لئے اس راہ کا فن ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جو تم کو خدا تک پہنچا دے وہی اسلام ہے۔

پھر صحو و سکر کی بات ہونے لگی۔ حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا ___ اہل تصوف کے درمیان صحو و سکر کی فضیلت میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں سکر صحو سے افضل ہے اس لئے کہ سکر میں فنا ہے اور صحو میں بقا۔ لہٰذا وہ کیفیت جس میں ماسوی اللہ سے فنا ہو اس کی افضلیت مسلم ہے، اور بعض حضرات اس خیال کے قائل ہیں کہ صحو سکر سے افضل ہے، اس لئے کہ سکر میں

خرابیاں ہیں، جب سکر کی کیفیت ہوتی ہے تو اس وقت چیزوں کی تمیز ختم ہو جاتی ہے، کون چیز کیسی ہے یہ پہچان باقی نہیں رہتی، جب کسی ایک چیز میں مست ہو گئے تو پھر جب تک ہوش میں نہیں آتے اس وقت تک کوئی چیز پہچان میں نہیں آئے گی۔

قاضی خان دام تقواہ نے عرض کیا ___ صاحبِ سکر کی اقتدا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

حضرت مخدوم نے فرمایا ___ جی ہاں! ان کی اقتدا درست نہیں ہے۔

پھر عرض کیا وہ کلمات جو حالتِ سکر میں حضرت سلطان العارفین قدس اللہ سرہ العزیز سے صادر ہوئے وہ پیروی کے لائق کیسے ہو سکتے ہیں اس لئے کہ ابھی فرمایا گیا سکر میں خرابیاں ہیں۔

ارشاد ہوا ___ وہ ابتدائے حال کی باتیں ہیں اور جب مقام کمال ونہایت پر پہنچ گئے تو اس وقت مقتدا ہو گئے۔

اس کے بعد فرمایا ___ اگر بزرگوں کے کلمات میں بعض کلمات ایسے ہوں جن کا تعلق ابتدائے حال سے ہے یا درمیانی حال سے تو اس کی تمیز ہونی چاہئے کہ کون کلمات حالتِ ابتدا کے ہیں اور کون حالتِ وسطیٰ کے۔ حالت ابتدا اور حالت وسطیٰ کے کلمات حالت انتہا کے کلمات نہ سمجھے جائیں، اگر اس بات کی تمیز نہیں ہو گی تو غلطی میں پڑنے کا احتمال ہے۔ اسی طرح وہ کمالات جو ان کے متعلق تحریر میں آئے ہیں جن کا تعلق ابتدائے حال سے ہے ان کو اسی بدایت پر محمول کرنا چاہئے اور جن کا تعلق درمیانی حال سے ہے ان کو اسی پر حمل کرنا ہے نہ کہ یہ سمجھا جائے کہ یہ مقام انتہا پر پہنچنے کے بعد کے کمالات ہیں۔

پھر فرمایا ___ پیروں سے جن کمالات کا صدور ہوا وہ غلبۂ حال میں ہوا ہے، اس کے لئے وسیع اور بلند حوصلے کی ضرورت ہے تا کہ اس ارادت تک پہنچا جا سکے، اور یہی مقام صحو ہے۔

مرداں ہزار دریا خوردند تشنہ رفتند

(جو مردانِ راہ ہیں وہ دریا کے دریا گھونٹ جاتے ہیں پھر بھی ان کی تشنگی باقی رہتی ہے)

یہ بھی معلوم رہے کہ تمام انبیائے کرام اصحاب صحو ہوئے ہیں۔

مجلس - ۲۱

۱۴ ربیع الآخر ۷۶۲ھ سنیچر کے دن آستانہ بوسی کی سعادت حاصل ہوئی، دہلی کے چند امراء جن کا تعلق خانجہان سے تھا زیارت کے لئے آئے تھے۔ حضرت مخدوم عظمہ اللہ ان کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا ___ جو صبح کے وقت سو (۱۰۰) بار سبحان اللہ پڑھتا ہے اس کے نامۂ اعمال میں سو حج کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے اور جو شخص اس تسبیح سُبْحَانَ اللّٰہ وَالْحَمْدُ لِلّٰہ وَ لا اِلٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر وَ لا حَوْلَ وَلا قُوَّةَ اِلَّا باللّٰہ الْعَلیّ الْعَظِیْم عَدَدَ مَا علم اللّٰہ و ملاء ما علم اللّٰہ وزنة ما علم اللّٰہ کو روزانہ سو (۱۰۰) پڑھتا ہے اس روئے زمین پر اس سے بڑا کوئی ذاکر نہیں۔ اور جو شخص ان کلمات کو ایک بار پڑھتا ہے اس کے اندر یہ پانچ خوبیاں ڈال دی جاتی ہیں۔

۱ - وہ سب سے بڑا ذاکر شمار ہوتا ہے۔

۲ - ایسا شخص اس ذاکر سے بہتر شمار ہوتا ہے جو دن رات اللہ کے ذکر میں لگا رہے

۳ - ہر حرف کے بدلے ایک درخت بہشت میں اس کے نام کر دیا جاتا ہے۔

۴ - اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے سوکھے درخت سے پتے ۔

۵ - ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ رحمت بھری نظر سے دیکھتے ہیں اور جس پر اللہ کی نگاہِ رحمت ہو جائے وہ ہر عذاب سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد یہ حدیث شریف بیان کی کہ ابنِ مسعودؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک سائل کو مانگتے سنا وہ یہ صدا لگا رہا تھا من ذی الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً کون ہے جو اللہ کے لئے قرض دے۔ جانتے ہیں سب سے بہتر قرض کیا ہے؟ سب سے بہتر قرض سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ و لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر و لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ کا پڑھنا ہے یعنی

اگر کوئی شخص درویش ہے اور اس کے پاس کوئی دنیاوی چیز نہیں ہے جو صدقہ دے سکے تو ان کلماتِ مندرجہ بالا کو پڑھے تو صدقہ دینے کا ثواب حاصل کرلے گا۔ کہتے ہیں کہ ایک روز رسول اکرم ﷺ اپنے صحابہ کو صدقہ کی ترغیب فرما رہے تھے، ابوامامہ باہلی بھی وہاں پر موجود تھے، ان کے لب ہل رہے تھے یعنی وہ آہستہ آہستہ کچھ بول رہے تھے، آپ ﷺ ان کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے لب ہل رہے ہیں، آخر آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں احباب کو صدقہ دیتے دیکھتا لیکن میرے پاس تو کچھ نہیں ہے جو صدقہ کروں میں سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر پڑھ لیتا ہوں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ___ اے ابوامامہ! اللہ کے نزدیک ہزار من سونا مسکینوں میں تقسیم کردینے سے یہ کہیں بہتر ہے۔ ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے آپ نے فرمایا سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر پڑھنا میرے نزدیک دنیا کے تمام زرو جواہر سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

مجلس - ۲۲

۱۹ ربیع الآخر ۶۲ھ جمعہ کے دن آستانہ بوسی کا شرف حاصل ہوا، دیوؤں کے مارنے اور مرنے کی بات ہونے لگی۔ حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا ___ روایت یہ ہے کہ دیو قیامت تک زندہ رہتے ہیں۔ اگر کہیں کسی سے یہ سنئے کہ دیو کو مار ڈالا گیا تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو قید کرلیا گیا ہے اور اس کو کمزور بنا دیا گیا ہے۔ معنی کے رو سے وہ مار دیئے گئے۔

اس کے بعد فرمایا ___ دنیا میں اتنے سارے دیو ہیں کہ اگر ہر آدمی کے ساتھ حفظہ نہ ہو تو دیو انسان کو برباد اور ہلاک کر کے رکھ دے۔

شہاب الدین شادی کو توال مجلس شریف میں حاضر تھے، انہوں نے دریافت کیا دیو کی پیدائش بھی ہوتی ہے؟

ارشاد ہوا ____ توالد وتناسل تو ان کے یہاں نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ان کے جیسا پیدا کر دیتا ہے۔ مگر شیطان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ جب چاہتا ہے کہ ہمارے مددگار زیادہ ہوں تو وہ اپنی ایک ران کو دوسری ران پر رگڑتا ہے، جس سے اس کی اولاد عالمِ وجود میں آجاتی ہے اور سب کو وہ الگ الگ کاموں پر متعین ومقرر کر دیتا ہے اور سب کو اس کام میں لگا دیتا ہے کہ وہ لوگوں کے دل کو نیکیوں کی طرف سے پھیر دے، وہ خود اپنی جگہ سے ہلتا نہیں۔ جب اس کی اولاد واپس آتی ہے تو سب سے دریافت کرتا ہے کہ تونے کیا کیا کام انجام دیئے۔ اگر کوئی کہتا میں نے دو آدمیوں کے درمیان نفرت اور دشمنی پیدا کر دی، تو یہ کام اس کو پسند نہیں آتا اور کہتا تو نے یہ کوئی خاص کام نہیں کیا۔ اور اگر کوئی کہتا میں نے شوہر بیوی کے درمیان جھگڑا کرا دیا ان کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو طلاق دے دیا۔ یہ سن کر وہ خوش ہوتا، تعریف کرتا اور کہتا تو نے سب سے اہم اور خوب کام کیا اب حرام اولاد خوب پیدا ہوگی۔

پھر شہاب الدین شادی کوتوال نے عرض کیا ____ دیو میں مسلمان بھی ہوتے ہیں؟

فرمایا ____ جی ہاں! ایک دیو تو مسلمان ہوا ہے۔ کتابوں میں تلاش کیا تو صرف ایک دیو کے بارے میں ایسا ملا، اور کسی کے بارے میں نہیں ملا۔ واللہ اعلم اور یہ وہی دیو ہے جس کا تذکرہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں آیا ہے کہ جب ہدہد حضرت سلیمان علیہ السلام کی مجلس سے غائب ہوگیا اور واپس آنے پر حضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے دریافت کیا تو کہاں غائب تھا؟ اس نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! میں ایسے شہر چلا گیا تھا جس کے بارے میں خدا کے پیغمبر کو بھی خبر نہیں ہے اور نہ بادشاہ کو اس کی واقفیت ہے۔ اس شہر کا نام سبا ہے ایک عورت وہاں کی ملکہ ہے جس کا نام بلقیس ہے پھر اس کے تخت کی تعریف بیان کی۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کی زبانی یہ سب سنا تو اس حد تک خوش ہوئے کہ آپ نے ملکہ بلقیس کے نام خط لکھ دیا کہ یہاں آکر مسلمان ہو جاؤ ورنہ فوج بھیج دوں گا اور گرفتار کر کے منگوا لوں گا۔

ملکہ اس حکم نامہ کے ملتے ہی روانہ ہوگئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب اس کی روانگی

کی خبر ملی تو حاضرین بارگاہ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ کوئی ہے جو اس کے پہنچنے سے پہلے اس کا تخت میرے پاس لے آئے؟ ایک دیو وہاں پر تھا جو مسلمان ہو چکا تھا اس نے عرض کیا میں لے آتا ہوں۔ فرمایا کتنی دیر میں؟ عرض کیا اتنی دیر میں جتنی دیر تک حضرت اجلاس فرماتے ہیں اور آپ صبح سے چاشت تک اجلاس فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں۔ آپ کے وزیر آصف نے عرض کیا میں لے آتا ہوں۔ دریافت فرمایا کتنی دیر لگے گی؟ جواب دیا پلک مارتے۔ حالانکہ وہ چند مہینے کی مسافت تھی۔ آصف وزیر نے اللہ پاک کے اسم اعظم کا ورد کیا، زمین پھٹی اور تخت نکل آیا۔ اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہی ایک دیو مسلمان ہوا ہے جس کے بارے میں اس واقعہ میں ذکر ہے۔

اس کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا___ یہ قصہ کرامتِ اولیاء کے ثبوت میں بھی پیش کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ آصف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ولی تھے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ جب حضرت سلیمان پیغمبر خود موجود تھے تو پھر آصف نے ان کی موجودگی میں اس کام کو کیسے کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ولی کے ذریعہ جو کچھ اظہار ہو جائے وہ پیغمبر کا معجزہ ہے اگرچہ ان کے لئے کرامت ہی کہیں گے اور کہتے ہیں کہ کرامت جائز ہے اور بعض بزرگوں کے بارے کہا گیا ہے کہ وہ کرامت سے اس طرح خائف رہے جس طرح گناہِ کبیرہ سے خائف رہتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرات کرامت کو ماسوی اللہ شئے سمجھتے رہے اور ماسوی اللہ سے جتنی دیر وابستگی رہے گی اتنی دیر اللہ سے دوری ہوگی۔ اور کرامت ہے کیا؟___ وہ معاملات جن کو عقل قبول نہیں کرے وہی کرامت ہے___

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ___ جو اپنے کو کرامت کا حقدار سمجھتا ہے وہ حق ﷻ کے لائق نہیں۔ بندہ اللہ تعالیٰ کے حق کو چھوڑ دینے کی وجہ سے خسارہ میں رہتا ہے اور خسارے میں رہنے والا سزا کا مستحق ہوگا نہ کہ کرامت کا۔

ستارہ کے ٹوٹنے کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا___ ستارے جو

ٹوٹتے ہیں ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ہمارے رسول ﷺ سے پہلے دیوؤں کو اتنی قوت ہوتی تھی کہ وہ ساتویں آسمان سے اوپر چلے جاتے تھے اور فرشتے آپس میں جو گفتگو کرتے تھے ان کو چوری سے سن لیتے تھے۔ فرشتوں کی گفتگو ہوتی تھی کہ فلاں فلاں کلمات کے کیا خواص ہیں اور ان کو پڑھنے سے کیا کیا فائدے اور اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ دیوان کلمات کو سنتے، اور ان میں سے ایک دو کلموں کو اچک لیتے، زمین پر واپس آ کر اپنے بنائے ہوئے کلموں میں ان کو ملا دیتے، خلط ملط کر دیتے، اور لوگوں سے کہتے کہ جو ان کلموں کو پڑھے گا اس کا یہ اثر ہوگا، اگر یقین نہیں ہوتا تو مجھ سے سیکھ لے اور پڑھ کر دیکھ لے، اگر سچ ہو تو اس کو اپنا لے۔ لوگ ویسا ہی کرتے، اس کا جو اثر مرتب ہوتا وہ دراصل فرشتوں کے ان کلمات کی برکت سے ہوتا جن کو اپنے کلموں میں شامل کر لیا تھا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ دیوان چیزوں کو جانتے تھے اور ان پر اعتقاد رکھتے تھے۔ جب ہمارے رسولِ اکرم ﷺ کا مبارک و مسعود زمانہ آیا تو دیوؤں کو ساتویں آسمان پر جانے سے روک دیا گیا، لیکن یہ اپنی عادت کے مطابق ابھی بھی جانے کی کوشش کرتے ہیں اور آسمان پر جو ستارے ہیں ان میں سے بعض ستارے نوری ہیں اور بعض ناری۔ جو ستارے آگ سے بنائے گئے ہیں وہ دیوؤں کو اوپر آتے دیکھ کر رگیدتے ہیں اور اوپر جانے سے روک دیتے ہیں۔

مجلس - ۲۳

۲۰ / ربیع الآخر ۶۲ھ سنیچر کے دن آستانہ بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ خاکسار نے عرض کیا ___ انبیاء علیھم السلام کے لئے غفلت (بے خبری) جائز ہے یا نہیں؟

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا ___ ان کے لئے غفلت جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ غفلت کا مطلب ہے نگاہوں سے اوجھل ہونا اور انبیاء کرام کی نگاہوں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہوتی ساری چیزیں ان کے سامنے روشن وعیاں ہوتی ہیں۔ ان کے لئے غیب درست نہیں

ہے۔ یَنَامُ عَیْنَائی وَلَایَنام قَلْبِی (میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا قلب جاگتا ہے) اس بات پر شاہد ہے۔ جس دل پر نیند کی گذر نہ ہو اس دل پر غفلت کی گذر کیسے ہو سکتی ہے۔ انبیائے کرام تو ہر وقت وحی کے انتظار میں رہتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام لیتے اور لوگوں تک ان کو پہنچا دیتے۔ اسی وجہ سے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ ذو وجہین کہے جاتے۔ یعنی ایک طرف سے لیتے اور دوسری طرف پہنچاتے۔ ان کے لئے غفلت (بے خبری) کہاں؟ ہاں! ویسی غفلت کا ثبوت ملتا ہے جو نہ مذموم ہے اور نہ محمود۔ جیسے گذشتہ واقعات سے غفلت کے سلسلے میں ہمارے رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم سے سورۂ یوسف میں کہا گیا وَاِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِہٖ لَمِنَ الْغَافِلِیْن (اور اگرچہ اس سے پہلے آپ غافلوں میں سے تھے) تفسیر میں آیا ہے کہ دیکھو! اس غفلت سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ عیب نہ لگا دینا کہ آپ ﷺ انبیاء کے واقعات سے بے خبر تھے اور مولیٰ کی معرفت سے بھی ہر گز غافل نہیں تھے۔ یہاں پر جس غفلت کا بیان ہے وہ نہ قابل تعریف ہے نہ لائق ملامت۔ غفلت کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ غفلت جو لائق ملامت ہے جیسا کہ کافروں کے بارے میں کہا گیا کہ یَعْلَمُوْنَ ظَاہِراً مِنَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَاج وَھُمْ عَنِ الْاٰخِرَۃِ ھُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ [الروم/۷] (یہ تو دنیا کی ظاہری زندگی ہی کو جانتے ہیں اور آخرت کی طرف سے بالکل غافل ہیں)۔

۲۔ وہ غفلت جو قابل تعریف ہے وہ گناہ سے بے خبری ہے جیسا کہ حضرت بی بی عائشہؓ کے واقعہ سے متعلق خبر دی اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ [النور/۲۳] (جو لوگ تہمت لگاتے ہیں پاک دامن عورتوں پر جو انجان ہیں ایمان والیاں ہیں)۔

۳۔ وہ غفلت جو نہ قابل تعریف ہے اور نہ لائق ملامت۔ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا گیا اِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِہٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ [یوسف/۳] (اگرچہ آپ اس سے پہلے غافلوں میں سے تھے) انبیائے کرام (کے علم وآگہی میں تو) ہر وقت اضافہ ہوتا

رہتا ہے ان کے لئے غفلت (بے خبری) کہاں جائز ہے، یہ حضرات تو ہر وقت ترقی اور زیادتی کی نعمتوں سے سرفراز ہوتے رہتے ہیں۔ اس معنی کی روشنی میں انبیائے کرام کے لئے جو زلتیں ہیں وہ دراصل عطاء و بخشش ہیں۔ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے انگوٹھی سے شغل کرنے کو غفلت پر محمول کرنا کہاں سے درست ہو سکتا ہے۔ ان پر جو عتاب ہوتا ہے وہ مقام کی بلندی اور مرتبہ کی بزرگی کی وجہ سے ہے، ڈانٹ پھٹکار تو دوسروں کے لئے ہے تا کہ بے خبر اور بے فکر ہو کر نہ بیٹھ جائیں بلکہ معافی مانگتے رہیں۔ استغفار کرتے رہیں اور اپنا عذر پیش کرتے رہیں۔

خاکسار نے عرض کیا___ عتاب کی کیا صورت ہوتی ہے؟

فرمایا عتاب کی صورت یہ ہے کہ محبت کی رو سے جو کام محب کو کرنا تھا اس میں کمی ہو گئی۔ اس کام کے نہیں کرنے کی وجہ سے محبوب اس کو سزا اور دکھ نہیں دیتا بلکہ صرف یاد دلا دیتا ہے اور اس کی نشاندہی کر دیتا ہے کہ یہ کام کرنا چاہئے تھا جو تم نے نہیں کیا۔ یہ عتاب ان لوگوں کے لئے فرحت و مسرت کا باعث ہے اس لئے کہ عتاب محبت کے احکام میں شامل ہے۔ پہلے محبت ہوتی ہے پھر عتاب ہوتا ہے جب عتاب کی کیفیت ہوئی تو سمجھ لینا چاہئے کہ محبت باقی اور موجود ہے۔

اذا ذهب العتاب فليس ودا ☆ ويبقى الود مابقى العتاب

(اگر عتاب نہیں تو سمجھ لیجئے کہ دوستی بھی نہیں۔ جب تک دوستی قایم ہے عتاب بھی باقی ہے)

حضرت آدم علیہ السلام ہی کے واقعے کو دیکھئے کہ جب ان کو لغزش ہوئی تو وہ سارے جانور جنہوں نے ان کو دلیل مانا تھا وہ سب خوف اور ہیبت سے الگ ہو گئے۔ جس چیز کی طرف جاتے وہ ان سے دور بھاگتی اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام پر خوف طاری ہو گیا اور خوف کے مارے سوچنے لگے کہ میرے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے؟ اسی خوف کے عالم میں تھے کہ یہ عتاب آیا وَنَادٰهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ [الاعراف/۲۲] (ان کے پروردگار نے ان کو پکارا کہ کیا میں نے تم کو اس درخت کے پاس جانے سے منع نہیں کیا تھا) لیکن عتاب آنے کے بعد خوش ہو گئے اور سمجھ گئے کہ

محبت باقی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اس ظاہری عتاب و ملامت کی وجہ سے بظاہر رو رہے تھے مگر ان کا باطن اس اظہار محبت پر ناز کر رہا تھا جانتے ہیں! دوستوں کا عتاب اگر کسی پر نازل ہو جائے تو کس میں طاقت ہے جو اس کو برداشت کر لے۔ یہاں پر دو باتیں سمجھنے کی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بزرگوں پر ان کے معاملات کے سلسلہ میں جو عتاب آتا ہے اور وہ دوسروں پر نہیں ہوتا وہ ان بزرگوں کے مقام کی بزرگی کی وجہ سے ہے اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ یہ حضرات کسی دوسری چیز میں ملوث ہو کر آلودہ ہو جائیں اور دوسری بات یہ کہ یہ بزرگان اپنے معاملات میں خود اتنا خوفزدہ رہتے ہیں جتنا دوسرے لوگ بزرگوں کے معاملات سے خوفزدہ رہتے ہیں۔

مجلس - ۲۴

۱۲ ربیع الآخر ۷۶۲ھ سنیچر کے دن آستانہ بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت مخدوم عظمہ اللہ حاضرین کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا___ جب ایک مومن دوسرے مومن کے لئے دعائے خیر کرتا ہے تو ایک فرشتہ وہاں پر مامور رہتا ہے وہ کہتا ہے ذٰلک مثل ذٰلک (ایسا ہی ہو، ایسا ہی ہو) یہاں پر فرشتہ کا یہ کہنا ان دو معانی میں سے کسی ایک معنی میں ہے، یا تو بشارت کے طور پر ہے کہ مومن کو قبولیت کی بشارت دی جا رہی ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے یا پھر فرشتہ کا ایسا کہنا دعاء کے طور پر ہے کہ ان کی دعاء بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہے۔

خاکسار نے عرض کیا فرشتہ کا یہ کہنا کس دعاء کے متعلق ہے۔ جو دعاء ایک مومن دوسرے مومن کے سامنے کر رہا ہے اس دعاء سے متعلق ہے یا جو دعاء غائبانہ کی جائے اس کے لئے ہے؟

حضرت مخدوم نے فرمایا___ حدیث میں تو مطلق آیا ہے لیکن غالب گمان یہی ہے کہ یہ غائبانہ دعاء کے لئے ہے۔

حضرت مخدوم عظمہ اللہ کے لائق بھائی حضرت مولانا جلیل الحق والدین دامت جلالۃ نے عرض کیا جو دعاء خاموشی سے مانگی جائے اس میں بھی فرشتہ کی طرف سے تائید ہوتی ہے؟

حضرت مخدوم نے فرمایا___ جی نہیں! خاموشی کے ساتھ جو دعاء کی جائے اس کے متعلق ایسا نہیں ہے۔اس کے بعد فرمایا___ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی شخص کے پاس سے گذرے جو رو رو کر دعائیں کر رہا تھا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اس کی یہ کیفیت دیکھی تو اللہ پاک سے عرض کیا___ خداوندا! اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں اس بندہ کی حاجت پوری کر دیتا۔وحی آئی کہ اے موسیٰ! میں آپ سے زیادہ اس بندہ پر مہربان ہوں مگر کیا کروں! اس شخص کے پاس بہت ساری بکریاں ہیں بظاہر یہ دعاء میں مشغول ہے لیکن اس کا دل ان بکریوں میں گم ہے،اور میں اسی کی دعاء کو قبول کرتا ہوں جس کا دل دعاء کے وقت میری طرف رہتا ہے۔یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شخص کے پاس گئے اس کو ساری باتیں بتائیں اس نے اسی وقت اپنے دل کو ہر طرف سے موڑ کر اللہ پاک کی طرف کر لیا اور حضوریِ دل کے ساتھ دعاء کرنے لگا۔پھر کیا تھا فوراً اس کی دعاء قبول ہوگئی۔

کسی بزرگ نے فرمایا دعاء کا فائدہ یہی ہے کہ اس سے اپنی بیچارگی کا اظہار ہوتا ہے ورنہ ہوتا وہی ہے جو اس کی مرضی ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ جو مبتدی ہیں ان کی زبان دعاء کے لئے کھلی رہتی ہے لیکن جو محقق ہیں ان کی زبان دعاء کے لئے بند رہتی ہے۔اس لئے کہتے ہیں کہ جو دور ہیں ان کے لئے دعاء کرنا ٹھیک ہے لیکن جو نزدیک ہیں ان کے لئے خاموش رہنا افضل ہے۔جس کو اس سے حاجت ہوگی وہ اس سے مانگے گا لیکن جو اسی کا طالب ہے وہ اور کچھ کیا مانگے گا۔اور کسی دوسری چیز کی طلب کیسے کرے گا۔حسبی سوالی علمہ بحالی۔

مجلس - ۲۵

پہلی جمادی الاول ۷۶۲ھ بدھ کے دن آستانہ بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ گفتگو ہونے لگی کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کو دستگیر کہنا چاہئے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نہیں کہنا چاہئے۔

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا___ ایسا کہیں دیکھا تو نہیں ہے۔ بس اسی حد تک پتہ چلتا ہے کہ لفظ دستگیر دست سے بنا ہے اور دست مخصوص عضو انسانی کا نام ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے اس لئے ''دستگیر'' نہیں کہنا چاہئے۔ ہاں! کتاب اللہ میں لفظ ''ید'' آیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اسماء کتاب وسنت ہی پر موقوف ہیں۔ قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے جو اسماء آئے ہیں ان سے زیادہ کہنا جائز نہیں ہے۔ اپنی طرف سے کچھ بولنا درست نہیں، اس سے بہت ساری مشکلیں پیدا ہو جائیں گی۔ لہٰذا شرع میں جتنا ہے اتنا ہی کہا جائے اپنی جانب سے کچھ نہیں کہا جائے۔ چونکہ قرآن مجید میں لفظ ''ید'' آیا ہے اس لئے اسی عربی لفظ ''ید'' کا استعمال کیا جائے فارسی میں نہیں کہا جائے فارسی میں ''ید'' کا معنی دست تو ہے لیکن دست نہیں کہنا چاہئے۔

اس کے بعد فرمایا___ قرآن مجید اور حدیث شریف میں جو متشابہات آئے ہیں انہیں کا استعمال کرنا چاہئے۔ فارسی میں نہیں کہنا چاہئے۔ مثلاً لفظ ''عین'' ہی کو لے لیجئے یہ عربی لفظ ہے قرآن میں آیا ہے وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا [ھود/۳۷] (اور بناؤ ایک کشتی ہمارے سامنے) فارسی میں ''عین'' چشم کے معنی میں ہے اور چشم حدقہ ہے یعنی گوشت پوست سے بنی ہوئی ایک شئے۔ اور اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک وصاف ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں وہی استعمال کیا جائے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہو۔ ہاں! اگر ایسا لفظ ہے جس سے کسی نقص کا پہلو نہیں نکلتا بلکہ مدح وثنا کی طرف دلالت کرتا ہے اور شریعت میں اس کی ممانعت بھی نہیں آئی ہے تو ایسے لفظ کا استعمال جائز رکھا گیا ہے جیسے لفظ ''طبیب'' ہی کو لے لیجئے۔ حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ الطبیب امرضنی (جو طبیب ہے اسی نے مرض دیا ہے) لیکن لفظ عارف اور عاقل کہنا درست نہیں ہے اس لئے کہ ان الفاظ میں نقص کا پہلو ہے۔

اس کے بعد اس حدیث کا تذکرہ ہونے لگا یحرم العلماء مسمومة من ثمها مرض ومن اکلهامات (علماء ایسی زہر والی چیز سے منع کرتے ہیں جس کے سونگھنے سے کوئی بیمار ہو جاتا ہے اور جس کے کھانے سے کوئی مر جاتا ہے)۔

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا__ عالم علی الاطلاق مومن کو کہتے ہیں اس لئے کہ مومن کو اللہ کا علم اور اس کی معرفت حاصل رہتی ہے اسی طرح کافر کو جاہل کہیں گے۔

(یہاں پر کچھ فارسی عبارت غائب ہے..........)

اس کے بعد فرمایا__ انما یَخشَی اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا[فاطر/۲۸] (خدا سے تو اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو صاحبِ علم ہیں) کی تفسیر[۱۳] میں آیا ہے کہ اگر کوئی ایک مسئلہ بھی جانتا ہے اور خدا سے ڈرتا ہے تو وہ علماء میں سے ہے۔ اسی طرح اگر کوئی عالم علوم کا خزانہ اپنے سینے میں رکھتا ہے لیکن اس کا دل خوفِ خدا سے خالی ہے تو وہ عالم نہیں ہے۔ اس آیت میں لفظ انما حصر کے لئے استعمال ہوا ہے۔

اس کے بعد فرمایا__ شرعی امور اور دینی معاملات سے متعلق جن باتوں کو ہمارے علماء نے پیش کیا ان کو عوام کیا جانیں۔

اس وقت سرخیل مخلص نائب غیبت داؤد خاں مکة اللّٰه پہلی تاریخ کی مبارکبادی کے لئے پہنچے۔ زمیں بوس ہوئے۔ ایک رومال میں پھول پیش کیا حکم ہوا کہ حاضرین مجلس میں تقسیم کر دیا جائے۔ اور سب لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس موقع پر حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے یہ حکایت سنائی کہ ایک دفعہ شیخ رستم علیہ رحمت یہاں آئے تھے۔ شہاب الدین نائب بھی حاضر تھے اور ان کے احباب بھی موجود تھے۔ ڈھیر سارے پھول رکھے ہوئے تھے۔ شیخ رستم لیٹ کر

سارے پھولوں کو اپنے سر، پیٹھ اور چہرے پر ملنے لگے اور کہنے لگے جب میرا انتقال ہو جائے تو میری لحد کو اسی طرح پھولوں سے بھر دینا۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو دفن کے وقت میں بھی موجود تھا اس وقت سب لوگوں کو ان کی وہ بات یاد آ گئی اور ان کی لحد کو پھولوں سے بھر دیا گیا۔

اس کے بعد فرمایا___ بعض لوگ کہتے ہیں جب بندہ اپنی زندگی میں اپنے احوال سے متعلق کوئی آرزو کرتا ہے تو موت کے بعد اس کا وہ حال ظاہر ہو جاتا ہے اور رستم علیہ رحمت کے ساتھ بھی ویسا ہی ہوا جیسی ان کی خواہش تھی اور ان کی جو مراد تھی وہ پوری ہوئی۔ خواجہ سہیل بن عبد اللہ تستری رحمتہ اللہ علیہ اپنی حیات میں کہتے تھے میں نے خدا سے یہ درخواست کی ہے کہ جب میری روح نکلے تو میری شہادت کی انگلی کھڑی رہے اور یہی حال قیامت تک رہے۔ لہٰذا میرے انتقال کے بعد اگر آپ لوگ ایسا دیکھئے تو سمجھ جائیے کہ میری دعاء قبول ہو گئی ہے۔

اس کے بعد لقمہ کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا___ جو کچھ حلال ہے وہ مختصر ہے۔ اسی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی سنا ہے کہ سلطان شمس الدین کے زمانے میں بہار کے مقطع اول ملک نھو تھے، پھر ان سے یہ عہدہ چھین کر ملک علاء الدین گل بہشت کو دے دیا گیا۔ ایک دفعہ ملک نھو کو کوئی کام آ گیا وہ ملک علاء الدین کے پاس آئے۔ ملک علاء الدین کے چھوٹے بیٹے اندر سے چند سوکھے اور سیاہ پتے تہہ کر کے لائے اور ملک نھو کے سامنے رکھ دیئے۔ چونکہ ملک نھو سے وہ عہدہ لے لیا گیا تھا اس لئے ان کے دل میں ایک خلش سی تھی۔ انہوں نے کہنا شروع کیا کہ نائب شاہزادہ اور مقطع بہار نے اپنے گھر سے یہ پتہ لا کر دیا ہے۔ ملک علاء الدین نے کہا کہ حلال کی وجہ سے ایسا ہوا ہوگا۔

اس کے بعد ایک دوسری حکایت یہ بیان کی کہ ایک بزرگ حد سے زیادہ موٹے تھے۔ کسی شہر میں ان کو جانے کا اتفاق ہوا۔ جب اس شہر کے نزدیک پہنچے تو باشندگانِ شہر استقبال کے لئے آئے۔ استقبال کرنے والوں میں ایک طالب علم بھی تھا جیسے ہی وہ بزرگ قریب آئے سب

لوگ دوڑ پڑے اور ان سے ملنے لگے، لیکن کسی کے دل میں یہ خیال بھی نہیں آیا کہ یہ موٹے ہیں۔سب نے یہی سمجھا کہ بزرگانِ دین میں سے ایک بزرگ ہیں جو تشریف لائے ہیں لیکن جب اس طالب علم نے دیکھا کہ ارے یہ تو بہت موٹے ہیں تو وہ اپنی جگہ کھڑا رہ گیا آگے نہیں بڑھا اور اپنے دل میں سوچنے لگا کہ بزرگانِ دین تو اتنے موٹے نہیں ہوتے۔ اتفاق سے وہ بزرگ اسی طرف سے گذرے جدھر وہ طالب علم کھڑا تھا جیسے ہی وہ بزرگ اس کے قریب آئے اس کے کان میں کہا کیا تمہارے باپ کا مال کھا کر موٹا ہوا ہوں؟ حضرت مخدوم عظمہ اللہ اس جملہ کو ادا کرنے کے بعد خوب مسکرائے، حاضرین کو بھی مزا آ گیا اور سب مسکرانے لگے۔

علمائے مکہ کی خدمت میں ہدیئے اور تحفے بھیجنے کی بات ہونے لگی۔فرمایا کہ ایک دفعہ اطراف مکہ میں سے کہیں سے چند ہزار دینار مکہ میں آیا۔اس وقت امام شافعیؒ وہاں مجاور تھے۔وہ رقم ان کی خدمت میں پیش کی گئی اور ان سے کہا گیا کہ یہ رقم مکہ کے علماء کے لئے فلاں شہر سے آئی ہے، اسے قبول فرمائیں۔امام شافعیؒ نے فرمایا یہ رقم علمائے مکہ کے لئے بھیجی گئی ہے اور میں تو علمائے مکہ میں ہوں نہیں۔میں اپنے کو علمائے مکہ میں شمار نہیں کرتا۔ یہ کہہ کر آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا آپ یقیناً علمائے آخرت میں سے تھے، علمائے دنیا میں سے نہیں تھے۔آپ کے معاملات علم پر تھے۔تاویلات پر نہیں تھے۔تاویلات تو علمائے دنیا کی پیدا کردہ ہیں، اسی لئے کہتے ہیں کہ جب تک علمائے دنیا پیدا نہیں ہوئے تھے اسلام ترو تازہ تھا۔سارا انتشار علمائے دنیا نے پیدا کیا ہے۔کہا جاتا ہے کہ ایک بزرگ نے شیطان کو دیکھا کہ وہ اطمنان سے بیٹھا ہے۔پوچھا بڑے تعجب کی بات ہے کہ تو اپنے کام میں مشغول نہیں ہے بلکہ مطمئن بیٹھا ہے؟ اس نے کہا جب سے علمائے دنیا پیدا ہوئے ہیں مجھے فرصت مل گئی ہے۔

مجلس - ۲۶

۱۲/ جمادی الاول ۷۶۲ھ اتوار کے دن آستانہ بوسی کی سعادت سے بہرہ مند ہوا۔ حضرت مخدوم عظمہ اللہ ملک محمود متصرف کے باغ کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ وہاں خواجہ نصیر الدین دیوالی کی خاطر داری کے اسباب مہیا تھے، خواجہ نصیر الدین مذکور شیخ نصیر الدین کیاہی کے ملفوظ کے کچھ حصے لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت مخدوم ملفوظ کے وہ اجزاء ان کے ہاتھ سے لے کر بلند آواز سے پڑھنے لگے۔ جب اس عبارت پر پہنچے "کہ انبیاء گناہ سے پاک ہیں تو پھر ان پر عتاب کس معنی میں ہے، ان پر عتاب غفلت کی وجہ سے ہے اس لئے کہ غفلت انبیاء کے لئے جائز نہیں ہے کیا نہیں جانتے کہ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثاً [المومنون/۱۱۵] (کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے) کی شانِ نزول کیا ہے۔ ایک دفعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ میں انگوٹھی لے کر اسے گھما رہے تھے، اس وقت آپ ﷺ کا قلبِ مبارک اللہ تعالیٰ کی طرف سے غافل تھا تو بطور عتاب یہ آیت آئی اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثاً"

حضرت مخدوم عظمہ اللہ جب شیخ نصیر الدین کیاہی کے ملفوظ کی اس عبارت پر پہنچے کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی سے شغل فرما رہے تھے، آپ کا قلبِ مبارک اللہ تعالیٰ کی طرف سے غافل تھا لہٰذا یہ عتاب آیا۔ حضرت مخدوم سوچنے لگے پھر تھوڑی دیر تک مکمل غور و فکر کرنے کے بعد فرمایا کہ ___ مطلق غفلت انبیاء کے لئے جائز نہیں ہے۔ ہاں! وہ غفلت جائز ہے جو ان کے لائق ہے جیسا کہ شریعت میں اس کی تعریف آئی ہے کہ ان کا ظاہر تو ہمارے ظاہر کی طرح ہوگا، ہمارے ظاہر کو جس سہو و غفلت سے واسطہ رہتا ہے ان کا ظاہر ان چیزوں سے دوچار ہوگا، ہم لوگوں کی طرح وہ بھی سوتے ہیں، کھاتے ہیں، ان کو بھی حدث ہوتا ہے، ان کے ساتھ بھی ناپاکی کا معاملہ ہے وہ بھی خوشی و مسرت سے ہمکنار ہوتے ہیں لیکن ان کا باطن ہماری طرح غفلت

اور سہو میں ہرگز مبتلا نہیں ہوتا۔اسی لئے فرمایا یَنَامُ عَیْنَائی وَلَایَنَامُ قَلْبِی ظاہر میں وہ سوتے ہیں لیکن ان کا باطن بیدار رہتا ہے۔نماز میں ان کو جو سہو ہوتا ہے وہ سہو ہمارے سہو کی طرح نہیں ہوتا۔ہم لوگوں کو جو سہو ہوتا ہے وہ سہو طاعت و بندگی سے کسی کم درجہ چیز میں مشغول ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اور انبیاء کا حال اس کے برعکس ہے۔ان کا دل کسی اعلیٰ چیز میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے ہوتا ہے مثلاً اگر کسی کا دل اللہ تعالیٰ کے جلال، اس کی قربت، اس کی ہیبت یا اس کے شوق کی طرف مشغول ہو گیا، اس حالت میں سہو ہو سکتا ہے۔ہم لوگوں کے سہو کا تعلق مقامِ حجاب سے ہے اور انبیائے کرام کے سہو کا معاملہ مقامِ مشاہدہ سے ہے، حاصل کلام یہ کہ جس طرح ان کی غفلت ہماری غفلت کی طرح نہیں ہوتی اسی طرح ان کا سہو بھی ہمارے سہو کی طرح نہیں ہوتا۔

بہر حال! دونوں حال میں سہو ایک ایسی تقصیر ہے جس سے چارہ نہیں اور اس سے خدمت کی اصلاح ہو جاتی ہے (خدمت سے بارگاہِ خداوندی میں حضوری مراد ہے)۔

اس کے بعد فرمایا ــــ یہ بات جو ان کے ملفوظ میں آئی ہے کہ ان کا دل حق کی طرف سے غافل رہنے کی وجہ سے ان پر عتاب ہوتا ــــ یہ بات اصولِ قانون کے خلاف لگتی ہے اس لئے کہ ان کا باطن ہر وقت حق سبحانہٗ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر مخلوق کے ساتھ۔جس وقت مخلوق کے ساتھ مشغول رہتے اس وقت بھی حق کے ساتھ ہوتے۔

یہ بات غلط طور پر کتاب میں نقل کر لی گئی ہے یا پھر یہ باتیں جن کے سامنے ہو رہی تھیں انہوں نے کس طرح سنا، اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔لہٰذا یہ عبارت قلم زد کر دی جائے۔خواجہ نصیر الدین مذکور فوراً اٹھے اور دوات قلم لے آئے۔حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے اس عبارت کی نشاندہی کی اور بتایا کہ یہاں سے قلم زد کر دیجئے اسی وقت وہ عبارت قلم زد کر دی گئی۔

اس کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا ــــ کہیں اس جملے پر نظر پڑی ہے کہ من غفل طرفة عین عن ذکر اللہ لم یصل اللہ ابداً پلک مارنے بھر بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل رہا وہ کبھی بھی اس تک نہیں پہنچ سکتا۔

بزرگوں نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ اگر کوئی تھوڑی دیر بھی اللہ کی یاد سے غافل رہا اور اس وقت طاعت وعبادت کا کوئی کام نہیں کیا پھر اس وقت گذشتہ کو حاصل کرنا چاہے تا کہ اس میں کچھ کام کرلے تو وہ وقت پھر کبھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس جملے کی یہی تاویل ہے اور نبی کریم ﷺ کا یہ فرمانا یَنَامُ عَیْنَائی وَلَایَنَامُ قَلْبِی (میری آنکھ سوتی ہے اور میرا دل جاگتا ہے) کو یوں سمجھئے کہ اگر آپ کا قلبِ مبارک سوتا اور غافل رہتا تو پھر اس وقت وحی کو کیسے قبول کرتے اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا یَنَامُ عَیْنَائی وَلَایَنَامُ قَلْبِی

انبیائے کرام ہر وقت وحی کے منتظر رہتے، ان کو ہر وقت کشفِ حال رہتا اور ہر وقت ان کے درجات میں ترقی واضافہ ہوتا، ان کے لئے نقصان اور کمی جائز نہیں۔ عصمت الانبیاء جو کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ ___ جب ان کے درجات میں ہر وقت ترقی واضافہ ہوتا رہتا ہے، کمی اور عیب ان کے لئے جائز نہیں تو پھر شبِ معراج کے متعلق کیا کہا جائے گا جب واپس آگئے تو ترقی نہیں ہوئی اور زلت (لغزش) میں بھی ترقی نہیں ہوتی۔ اس شبہ کا جواب لکھنا خونِ جگر پینا ہے۔ اس شبہ سے متعلق سوال وجواب عصمت الانبیاء میں موجود ہے اور جس کو ہمارے خواجۂ بزرگوار اعظمہ اللہ کے چوتھے[14] ملفوظات میں اس خاکسار نے پورے طور پر بیان کردیا ہے جس کو شوق ہو وہ اس کتاب میں دیکھ لے۔

پھر گناہ کا تذکرہ ہونے لگا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا ___ انبیائے کرام گناہِ کبیرہ کے قصداً ارتکاب سے معصوم ہیں اور گناہِ صغیرہ سے بھی قصداً معصوم ہیں لیکن بغیر قصد کے ارتکاب ہوجائے ایسا ہوسکتا ہے، اس سے معصوم نہیں ہیں، اور جس گناہِ صغیرہ کا ارتکاب بغیر قصد کے ان سے ہوجائے اسی کو زلّت کہتے ہیں، لیکن یہ سمجھ لیجئے کہ عتاب ان کے علوئے مرتبت کے اعتبار سے ہوتا ہے، اس لئے کہ مواخذہ (گرفت) اور عتاب اس کام پر ہوتا ہے جس کو قصداً کیا جائے، جس کام کو قصداً نہیں کیا جائے اس کا اعتبار نہیں، لہٰذا پکڑ کیسے ہوگی۔ کہتے ہیں بعلوء مرتبتھم و ارتفاع منزلتھم سارا معاملہ ان کے مقام کی بزرگی اور مرتبے کی بلندی کی وجہ

ے ہے، بڑوں کی گرفت چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہوتی ہے اور چھوٹوں کی پکڑ بڑی بڑی باتوں میں نہیں کی جاتی یعنی بڑی بڑی باتوں میں مواخذہ کا نہ ہونا چھوٹے پن کی دلیل ہے اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں گرفت بزرگی کی پہچان ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان پر جو عتاب آتا ہے اور جو معذرت کرتے اس کا مقصد یہ ہے کہ دوسرے لوگ یہ سمجھ لیں کہ وہ صغیرہ جو قصداً نہیں کیا جائے اس پر اسی طرح معذرت کی جائے۔

اس کے بعد فرمایا______ اکابرین اہلِ تصوف کا کہنا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پر جو گذرتی ہے اس کا تعلق ان کے ظاہر سے ہے، ان کا باطن تو پوری طرح مشاہدۂ حق میں مشغول رہتا ہے ان کا باطن کسی وقت بھی مشاہدۂ حق سے فارغ اور خالی نہیں رہتا، ہمیشہ حق سبحانہ و تعالیٰ کے جلال و جمال کے تفکر میں ڈوبے رہتے، کبھی ان پر خوفِ جلال طاری رہتا اور کبھی امید جمال میں گم رہتے اور ان کیفیات میں ہر لحہ اضافہ ہی ہوتا، خوف پر خوف، امید پر امید، محبت پر محبت اور شوق پر شوق بڑھتا جاتا، اگر بغیر قصد کے کسی زلت (لغزش) میں پڑ جاتے تو اتنا گریہ وزاری کرتے کہ دوسرے لوگ گناہِ کبیرہ پر نہیں کرتے، اس سلسلے میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ مشہور ہے کہ تیس (۳۰) سال تک اس طرح روتے رہے کہ آپ کے آنسو سے ہندوستان میں کتنی دوائیں پیدا ہو گئیں اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی چشم مبارک سے اتنا آنسو گرا کہ اگر اس میں کشتی ڈال دی جاتی تو کشتی چلنے لگتی۔ اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ چالیس (۴۰) روز تک سجدے میں سر رکھ کر دن رات روتے رہے اور اتنا روئے کہ وہاں پر گھاس اُگ آئی اور آپ اس گھاس میں چھپ گئے۔

مجلس - ۲۷

۱۷ ؍ جمادی الاول ۷۶۲ ھ کو آستانۂ عالیہ کی خاک بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔

مولانا ابوحنیفہ، مولانا قاضی خاں، شیخ محمد تالہ، شیخ معزالدین اور ابوحنیفہ کے بھائی ابویزید حاضر بارگاہ تھے، اس وقت گفتگو کا موضوع تھا کہ اس دنیا میں جس عورت کے دو شوہر ہوں وہ کل قیامت کے دن کس شوہر کے ساتھ رہے گی؟

حضرت مخدوم نے فرمایا___ آخری شوہر کے ساتھ رہے گی جس کے نکاح میں رہتے ہوئے انتقال ہوا ہے۔ اس سلسلے میں روایت یہی ہے۔ لیکن تفسیر منیر میں ہے کہ ایک دفعہ میں نے عمر کانجی سلطان معزالدین جن کو نباتخان کہا جاتا تھا کے زمانے میں سنا ہے وہ کہہ رہے تھے کہ جس وقت میں اودھ میں تھا وہاں کے دانشمندوں سے یہی سوال کر دیا اگر کسی عورت نے دو شادی کی تو کل قیامت کے دن وہ کس شوہر کے ساتھ رہے گی؟ وہاں کے دانشمند نے جواب دیا کہ قیامت کے دن دونوں شوہر اس عورت پر اپنا اپنا دعویٰ پیش کریں گے ایک کہے گا یہ میری بیوی ہے دوسرا کہے گا میری ہے۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ اسی شکل وشباہت کی ایک حور کو پیدا فرمادے گا دونوں کی نظر ایک ایک پر جم جائے گی۔ دونوں ایک دوسرے کو لے لیں گے اور یہی سمجھیں گے کہ یہ میری بیوی ہے۔

اس گفتگو کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا___ یہ بات بھی خوب رہی انما یسرورہ اسی کو کہتے ہیں۔ لیکن روایت میں یہی آتا ہے کہ وہ آخری شوہر کے حوالہ کردی جائے گی۔

قاضی اشرف الدین دام تقواہ نے عرض کیا___ اگر بیٹا اپنی ماں کو کھانے کے لئے اپنی قیام گاہ پر بلائے تو کیسا ہے، بلانا چاہئے یا نہیں؟

حضرت مخدوم نے فرمایا___ نہیں بلانا چاہئے، بلکہ کھانا لے کر خود ماں کی خدمت میں حاضر ہو اور ان کو کھلائے۔ لیکن ہاں! اگر تعظیماً وتکریماً بلایا جائے تو بلا سکتے ہیں، مثلاً اگر دعوت کا اہتمام ہے اس میں دوسری عورتیں بھی مدعو کی جارہی ہیں تو وہاں ماں کو بلا سکتے ہیں اور ان سے یہ عرض کر سکتے ہیں کہ آپ پہلے آجایئے تاکہ آپ کی موجودگی میں لوگوں کو کھلایا جائے ایسی صورت میں ان کو بلانا بے ادبی میں داخل نہیں ہے بلکہ وہاں تو ان کی تعظیم وتکریم ہوگی۔

اس کے بعد فرمایا ___ فقیہ ابواللیث نے لکھا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ والدین کی عزت و احترام کو اپنی کتاب میں ذکر نہیں کرتے پھر بھی عقل کی رو سے والدین کا احترام واجب ہوتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام کتابوں مثلاً توریت، انجیل، زبور اور قرآن میں اس کو بیان فرمادیا ہے اور تمام پیغمبران علیھم السلام نے والدین کی عزت وتکریم کی وصیت کی ہے اور والدین کے حق کو پہچاننے کی تاکید فرمائی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔

اور فقیہ ابواللیث نے ایسا بھی لکھا ہے کہ بعض کتابوں میں یہ بھی پڑھنے کو ملا کہ جس کے ماں باپ حیات ہوں اس کو چاہئے کہ اپنے والدین کے سامنے گفتگو نہ کرے، اتنا ہی کہے جتنا حکم دیا جائے، راستے میں نہ ان کے آگے چلے نہ پیچھے، نہ دائیں رہے نہ بائیں، ہاں! جب بلائیں تو سامنے آئے، اور ان کے پیچھے اس طرح چلے جس طرح غلام اپنے مالک کے پیچھے چلتا ہے۔

نقل ہے کہ ایک شخص حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں آئے اور عرض کیا یارسول اللہ! میری ماں بہت زیادہ بوڑھی ہوچکی ہیں میں ہمیشہ اپنے ہاتھ سے ان کو کھانا کھلاتا ہوں، اور ان کو اپنے کاندھے پر بیٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا ہوں۔ یہ عمل کیسا ہے اور میں ان کا حق ادا کررہا ہوں یا نہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ ہاں! ایک فی صد حق کی ادائیگی ہوئی۔

بعض تابعین کا کہنا ہے کہ جس اولاد نے دن رات میں پانچ بار اپنے ماں باپ کے لئے دعاء کی اور ان کی مغفرت کے لئے بارگاہِ خداوندی میں عرضی پیش کی اس نے ماں باپ کا حق ادا کردیا۔

فقیہ ابواللیث سے کسی نے دریافت کیا ___ اگر کسی کی ماں ناراض ہوگئی ہو تو ان کو خوش کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ فرمایا ___ تین طریقے سے ان کی خوشنودی حاصل کی جاسکتی ہے۔

۱ - اپنے اندر پارسائی کی صفت پیدا کرلے، اس لئے کہ ماں باپ کو اولاد کی پارسائی بہت پسند ہے۔

۲ - قرابت داروں سے تعلق پیدا کیا جائے اور ماں باپ کے دوستوں سے دوستی کی جائے۔

۳ - ان کی بخشائش کی دعاء کی جائے۔

نصاب الاخیار میں یہ حدیث آئی ہے کہ جو شخص اپنے ماں باپ کو محبت و رحمت بھری نظر سے دیکھتا ہے اس کے نام حجِ مقبول لکھ دیا جاتا ہے۔ لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ! اگر اپنی ماں کو سو بار رحمت بھری نظر سے دیکھے۔ فرمایا ___ ہاں! دیکھے۔

مجلس - ۲۸

۲۴ر جمادی الاول ۶۲۷ھ جمعرات کو خاک بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت مخدوم عظمہ اللہ، مولانا قاضی خان اور ایک دو آدمیوں کے ساتھ سلطان اختیار الدین مرحوم کی حرم بی بی ملکہ کی ملاقات کے لئے باہر تشریف لے گئے تھے جو آپ کی غلامی (مریدی) کی ڈور سے منسلک تھیں، ان سے ملنے کے بعد ملک محمود متصرف کے باغ کی طرف چلے گئے اور ظہر کی نماز تک وہیں رہے۔

خاکسار نے عرض کیا ___ شیخ نصیر الدین محمود علیہ رحمۃ کے ملفوظ میں یہ عبارت آئی ہے حاکیاً عن اللہ تعالیٰ حرمت جنتی علی من نام فی اللیل باللیل (اللہ تعالیٰ سے حکایت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری جنت اس شخص پر حرام کر دی گئی ہے جو رات میں رات کی خاطر سویا) اس کا اطلاق کس معنی میں ہوگا؟

حضرت مخدوم نے فرمایا ___ اس کی صورت یہ ہوگی کہ رات میں سونا تو جائز ہے لیکن فرائض و واجبات کو ترک کر کے اگر کوئی سوتا ہے تو اس پر اس کا اطلاق ہوگا۔ ہاں! اگر فرائض اور واجبات کو ترک نہیں کیا بلکہ فرائض و واجبات کی ادائیگی کے بعد سو گیا تو وہ اس وعید کے اندر نہیں آئے گا۔ دوسری بات یہ کہ اس حرمت سے وقتی حرمت مراد ہے دائمی اور ہمیشگی کی حرمت مراد نہیں ہے۔ یعنی فرائض و واجبات کے ادا کرنے والے جتنی دیر قبل بہشت میں داخل ہوں گے ان کے

داخل ہونے کے بعد اتنی ہی تاخیر سے یہ داخل ہوں گے۔ اس لئے فرائض وواجبات کی ادائیگی سے قبل سونا حرام ہے اور یہ حرمت دائمی ہے۔

اس کے بعد فرمایا___ مشارق میں یہ حدیث آئی ہے کہ عشاء اور فجر کی نماز باجماعت ادا کرنے والوں کو شب بیدار لکھا گیا ہے، لہٰذا اگر نوافل کی ادائیگی نہیں کی اور سو گیا تو نوافل کے ترک سے اس وعید میں شامل نہیں ہوگا اس لئے کہ سنت کا ترک کرنے والا بھی اس وعید میں نہیں آتا ہے۔

اسی درمیان خانقاہِ معظم کے امام مولانا نورالدین حافظ نے جو بچپن سے آستانہ عالیہ کی خدمت گذاری میں لگے ہوئے ہیں اور جن کا آذوقہ بھی دسترخوانِ خاص سے مقرر ہے عرض کیا سنتِ مؤکدہ واجب ہے؟ فرمایا___ سنت اسے کہتے ہیں جس کے وجوب کا ثبوت سنت سے ہو۔

اس گفتگو سے فارغ ہونے کے تھوڑی دیر بعد رخِ انور اس خاکسار کی طرف کیا اور فرمایا___ شیخ نصیر الدین محمودؒ کا جو ملفوظ آپ نے لاکر دیا تھا اس کو دیکھا، اس میں اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ غائب کا استعمال کیا گیا ہے۔ اصل نسخہ میں ایسا ہی ہے یا مبیض (صاف) کرنے میں غلطی سے ایسا ہو گیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا اس ملفوظ میں ارادتاً غیب کا استعمال کیا گیا ہوگا، اس لئے کہ غائبانہ اتباع اس آیت کے حکم کے تحت درست ہے وَ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ [یٰسٓ/۱۱] (اور ڈرتا ہے خدا سے بن دیکھے) غائبانہ کسی سے ڈرنا غایت اعتقاد اور مضبوط استقلال کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا___ معانی اور بیان کے پیش نظر کشاف میں یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ رحمان، فعلان کے وزن پر ہے اور فعلان کا استعمال مبالغہ کے لئے ہوتا ہے۔ اور رحمٰن، کثیر الرحمة کے معنی میں آتا ہے لہٰذا جو کثیر الرحمة ہوگا اور وہ غایب ہوا گر اس سے خوف کھایا جائے تو یہ انتہائی مضبوط اعتقاد کی دلیل ہے۔ دو جگہ لفظ غائب کا استعمال ہوا ہے اور ایسی صورت میں لفظ غائب کا استعمال اللہ رب العزت کے لئے جائز ہے۔

مولانا نورالدین مذکور نے عرض کیا___ قرآن مجید میں سات (۷) جگہوں پر وقف منزل آیا ہے، اس وقف کو ترک کر دینا کیسا ہے، اور اس ترک پر کیا حکم عاید ہوتا ہے؟

حضرت مخدوم نے فرمایا___ متفقہ روایت یہی ہے کہ جہاں وقف کرنا نہیں ہے وہاں وقف کرنا اور جہاں وقف ہے وہاں وقف نہیں کرنا دونوں مکروہ ہے۔ اس کے بعد یہ شعر[15] پڑھا۔

وقف، اعراب اور آیت سے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا___ ایسا کہا جاتا ہے کہ اعراب، آیت اور نقطہ کی رسم یوسف حجاج کی پیدا کردہ ہے لم ینکروا احد من العلماء فحل محل الاجماع (جب علماء سے کوئی عالم بھی کسی مسئلہ میں اختلاف وانکار نہ کرے تو وہ مسئلہ اجماع کی جگہ لیتا ہے)۔

اس کے بعد فرمایا جردوا المصاحف عن المحدثات قرآن مجید میں کوئی نئی بات پیدا نہیں کی جائے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس جبرئیل علیہ السلام جتنا لے کر آئے اتنا ہی لکھا جائے، ہر طرح کے اضافے اور زیادتی سے پاک رکھا جائے حضرت امیر المومنین عمر خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے ہاتھ میں قرآن مجید دیکھا جس کی ہر آیت کے نیچے تفسیر درج تھی، آپ نے قینچی منگوائی اور آیت کی تفسیروں کو کاٹ کر الگ کر دیا۔

خاکسار نے عرض کیا___ یوسف حجاج کو اتنا علم تھا کہ اس نے قرآن میں تصرف کر دیا۔

حضرت مخدوم نے فرمایا___ یہ ویسا ہی ہے جیسے کسی نے ایک بزرگ سے پوچھا کیا شیطان فتنہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا اگر فتنہ نہیں ہے تو پھر اتنے فتنے پیدا کیسے ہوئے، شیطان نے اتنے فتنے پیدا کر دئے کہ دس ہزار علماء اور مشائخ مکہ کے اطراف میں سولی پر چڑھا دئے گئے۔

مجلس - ۲۹

۶ر جمادی الآخر ۷۶۲ھ منگل کے دن آستانہ بوسی کی سعادت حاصل ہوئی، اسی روز

صبح کے وقت حضرت مخدوم عظمہ اللہ و متع اللہ المسلمین بطول بقائہ کے بھانجا مولانا زین الدین کا انتقال ہو گیا تھا۔

آپ کی مجلس میں بدگمانی کا ذکر ہونے لگا، حضرت مخدوم نے فرمایا___ کسی کے بارے میں بدگمانی نہیں ہونی چاہئے، ہاں! اپنے بارے میں برا گمان رکھا جائے، اگر کسی کو کچھ پریشانی لاحق ہو تو سمجھنا چاہئے کہ میری نحوست کی وجہ سے ایسا ہوا ہے، اور اگر مسرت سے ہمکنار ہو تو سمجھنا چاہئے کہ اس میں دوسروں کی برکت شامل ہے۔ خواجہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے عرفہ کے دن میدانِ عرفات میں کسی نے دریافت کیا___ آج لوگوں کا حال کیسا پا رہے ہیں؟ فرمایا___ اگر آج کسی کی بخشائش نہیں ہوتی ہے تو اس میں میری نحوست کو دخل ہے اس لئے کہ ان کے درمیان میں موجود ہوں۔

بندگانِ حق اپنے بارے میں ایسے بدگمان ہوتے کہ سارے وعدوں کو دوسروں کے حق میں اور ساری وعیدوں کو اپنے حق میں سمجھتے ہیں۔ نقل ہے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے پوچھا آدمی برا کب بنتا ہے؟ فرمایا___ جب وہ یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اچھا ہے۔

مومن کے قول و فعل کو بہتر اور شریعت پر محمول کرنا چاہئے۔ ان سے متعلق جو کچھ سنیں یا جو کچھ دیکھیں ان کے بارے میں اچھا گمان رکھیں۔ یہ ویسی صورت میں ہے جب حقیقتِ حال پوشیدہ ہو، لیکن جہاں پر حقیقتِ حال ظاہر ہے وہاں گمان کی ضرورت کہاں۔ معاملے کی حقیقت ظاہر ہو گئی تو پھر گمان جاتا رہا۔

پھر تلقینِ موتی کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا___ تلقینِ موتی ہمارے علماء کے نزدیک موت سے پہلے ہے موت کے بعد نہیں۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک تلقینِ مردہ موت کے بعد ہے امام شافعیؒ نے اس حدیث لقنوا موتاکم (اپنے مردوں کو تلقین کرو) کو دلیل بنایا ہے لیکن ہمارے علماء اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ موت کے بعد تلقین کا کوئی حاصل نہیں ہے۔ اس لئے کہ خاتمہ کی دو صورتیں ہیں، یا تو ایمان پر خاتمہ ہو گا یا نعوذ باللہ منہا ایمان پر خاتمہ نہیں

ہوگا۔ اگر ایمان کے ساتھ گیا تو پھر تلقین کی کیا ضرورت، اس کا وہی ایمان اس کی تلقین کے لئے کافی ہے۔ اور اگر نعوذ باللہ منہا معاملہ برعکس ہے تو پھر تلقین کا کوئی فایدہ نہیں۔ اور حدیث میں جولفظ موتاکم آیا ہے اس سے مراد ہے لقنتوا موتاکم اذا قرب الموت (مردے کو تلقین کرو جب وہ موت کے قریب ہو) اس لئے کہ جب کوئی چیز قریب ہوتی ہے تو اس چیز پر حکم عاید ہو جاتا ہے قریب الشیئی یاخذ حکم ذالک الشیئی دوسری بات یہ کہ موت ہی کے ذریعہ واپسی ہے اور یہ بات ہو چکی ہے اور جو چیز ہو چکی ہے اس کے وجود کو مان لیا جاتا ہے الکائن قدر موجودا موت بھی انہیں میں سے ہے کہ یہ ہونے والی اور آنے والی ہے۔ اور جو چیز ہونے والی اور آنے والی ہے اس کو اسی نام سے پکارتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ[الزمر/۳۰] (بیشک آپ کو بھی انتقال فرمانا ہے اور انہیں بھی مرنا ہے) یعنی انک تموت و انھم تموتون جب یہ معلوم ہو گیا کہ واپسی موت کے ذریعہ ہوتی ہے تو وہی نام دے دیا گیا۔ اور وہ جو نبی اکرم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو تلقین فرمائی اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ جب حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ قبر میں لٹائے گئے اور دفن کے بعد فرشتوں نے سوال کیا من ربک و ما دینک ومن نبیک تو من ربک و ما دینک کا جواب دے دیا لیکن تیسرے سوال من نبیک کا جواب فوراً نہیں ہو سکا اس وقت رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہہ دو اَبِیْ۔

اس کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا ___ موت سے قبل تلقین کا فایدہ ہے اور وہ یہ کہ اس کو یہ یاد دلایا جائے اور تیار کیا جائے۔ نقل ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے حضرت امیر المؤمنین عمر خطاب رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا اے عمر! یہ تو بتاؤ کہ جب دونوں فرشتے یعنی منکر نکیر آئیں گے تو اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا؟ جواب دیا یا رسول اللہ! میں اپنے حال پر رہوں گا اور عقل میرے ساتھ رہے گی۔ فرمایا ہاں! ٹھیک ہے۔ اس پر حضرت عمر نے کہا اب مجھے کوئی ڈر نہیں۔

ایک روز ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ___ اے اللہ کے رسول!

میں ضغطۂ قبر اور سوال منکر نکیر سے خوف زدہ ہوں۔ فرمایا ـــ اے عائشہ! مومن کو ضغطۂ قبر اس طرح ہوگا جس طرح ماں اپنی اولاد کے ہاتھ پاؤں ملتی ہے، اور مومن سے منکر نکیر کا سوال اس طرح ہوگا جیسے آنکھ میں توتیا لگ گئی ہو یعنی آنکھ میں درد ہو۔

پھر لیلیٰ مجنوں کے عشق کی بات ہونے لگی۔ خاکسار نے عرض کیا ـــ ایک روز مجنوں سر جھکائے بیٹھا تھا اسی وقت لیلیٰ اس کے قریب آ گئی، لوگوں نے کہا مجنوں! لیلیٰ آئی ہے۔ مجنوں نے کہا میں لیلیٰ کے ساتھ ہوں اور لیلیٰ میرے ساتھ۔ پھر یہ آنا جانا کیا معنی رکھتا ہے۔ مجنوں کے ایسا کہنے اور اس کی اس کیفیت کا کیا مطلب ہوا؟

حضرت مخدوم نے فرمایا ـــ وہ اس مقام پر پہنچ چکا تھا جہاں محبّ، محبوب ہو جاتا ہے اور محبّ درمیان میں نہیں رہتا۔ جب محبّ محبوب کے ساتھ ہوتا ہے تو پھر اس ظاہری آمد و رفت کی ضرورت کہاں باقی رہ جاتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا ـــ اس مثال کو سامنے رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب بندہ ماسوی اللہ کو بھول جاتا ہے اور مشاہدۂ حق میں مستغرق رہتا ہے اور اس سے کچھ پوچھا جاتا ہے تو وہ ہر سوال کے جواب میں کہتا ہے اللہ۔

حضرت مخدوم کے برادرِ خالاتی مولانا نظام الدین دام تقواہ نے عرض کیا ـــ خواجہ منصور حلاج کا یہ مصرع ''ھا انا ام انت لا الا لھین'' (یا میں رہوں یا تو دو خدا نہیں رہ سکتے) کس معنی میں ہے؟

حضرت مخدوم نے فرمایا ـــ اللہ بہتر جانتا ہے، یہ تجلی روح کے عالم میں کہا ہو۔ روح نے جب دیکھا کہ موجودات کے تمام ذرات اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں، تمام ذرات پر اس کے احکام نافذ ہیں اور تمام اشیاء اس کے زیرِ تصرف ہیں تو اسی شبہ میں یہ مصرع کہا ہوگا ھا انا ام انت لا الا لھین اور اسی مقام کی بات ہے جو یہ کہا گیا کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے اس کا عکس تمہارے اندر پیدا کر دیا گیا ہے، اور عالمِ الٰہیت میں جو کچھ ہے اس کا عکس تمہاری جان میں پیدا کر دیا ہے۔

حضرت مخدوم نے اس کے بعد فرمایا ــــ سالکین کے لئے تجلی روح وہ ہلاکت خیز مقام ہے جہاں سے حق ﷻ کی عنایت اور پیر کی رہنمائی کے بغیر گذر جانا ممکن نہیں۔ راز کی بات یہی ہے جو ان اشعار میں کہی گئی ہے۔

افگندہ دلم رخت بمنزل گاہے ☆ کانجا نبود بصد دلیل آں راہے

چوں من دو ہزار عاشق اندر ماہے ☆ می کشتہ شود کہ بر نیاید آہے

(میرے دل نے سارے اسباب اور ساز و سامان کو اس منزل میں ڈال دیا جس کے راستے کو سینکڑوں دلائل کے ذریعے بھی طے نہیں کیا جا سکتا،
میرے جیسے دو ہزار عشاق ہر مہینے اس طرح قتل کردئے جاتے ہیں کہ ان کے دل سے ایک آہ بھی نہیں نکل پاتی)

اس کے بعد حق ﷻ کی محبت کا تذکرہ ہونے لگا۔

حضرت مخدوم نے فرمایا ــــ علمائے ظاہر کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی جانب سے محبت یہ ہے کہ خیرات و حسنات کی توفیق بخش دی جائے اور بندے کی جانب سے محبت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کی جائے اور اس نے جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے پرہیز کیا جائے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ محبت کی حقیقت، جنسیت کا تقاضا کرتی ہے اور جنسیت بندہ و مولیٰ کے درمیان نہیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے محبت کی مندرجہ بالا تاویل کی ہے، وہ حقیقتِ محبت کا انکار کرتے ہیں اور جب محبت کی حقیقت ہی سے انکار کرتے ہیں تو پھر اُنس، شوق، جائز لذات اور محبت کے سارے لوازمات و متعلقات کے بھی منکر ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب حقیقت ہی نہیں ہے تو یہ سب بھی نہیں ہے لیکن مشائخ رحمہم اللہ کا اس سلسلہ میں الگ الگ قول ہے۔

اس خاکسار نے مولانا نظام الدین سلمہ اللہ تعالیٰ سے آہستہ سے کہا ــــ مشائخ کے قول کے بارے میں کچھ دریافت کیا جائے۔

حضرت مخدوم جن کا قلب منور نور باطن کی وجہ سے دن رات روشن رہتا اس بات کو سمجھ گئے اور فرمایا ــــ ایک قول تو یہ ہے کہ المحبت نار فی القلوب یتحرق ماسوی

المحبوب (محبت وہ آگ ہے جو محبوب کے سوا باقی ساری چیزوں کو جلا کر رکھ دیتی ہے) اور دوسرا قول ہے المحبت هی موافقة فی محبوبه و مکروهه (محبت، محبوب کی پسند اور ناپسند کے ساتھ موافقت کا نام ہے)

شیخ محمد تالہ مجلس شریف میں حاضر تھے۔ انہوں نے عرض کیا ــــ مشائخ کے نزدیک اس کی تفسیر کیا ہے؟

فرمایا ــــ محبت اس حالتِ شریفہ کا نام ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ بندے کی محبت کی گواہی دی ہے اور بندے کے ساتھ اپنی محبت کی خبر دی ہے اور جس بات کی گواہی اور خبر اللہ پاک دیں اس کے حق اور سچ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ کہتے ہیں کہ بندہ کی محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ بلند مقام اور سب سے اعلیٰ درجہ ہے، اور محبت وہ مقام ہے جس سے بہتر مقام کوئی نہیں۔ اس کا ثمرہ شوق، انس، رضا، تسلیم وغیرہ ہے۔ محبت سے اعلیٰ کوئی مقام نہیں۔ اس کا پیش رفت توبہ، صبر اور زہد ہے۔

حضرت خواجہ سری سقطیؒ سے منقول ہے آپ نے فرمایا ــــ قیامت کے دن امتیوں کو ان کے نبیوں کے نام سے پکارا جائے گا، مثلاً یا امتِ محمد ﷺ، یا امتِ موسیٰ علیہ السلام، یا امتِ عیسیٰ علیہ السلام، لیکن محبانِ حق سبحانہ و تعالیٰ کو یوں مخاطب کیا جائے گا ــــ "یا اولیاء اللہ! اپنے خداوند جل وعلا کے دیدار کے لئے دوڑ پڑو۔ پھر کیا ہے ان کی روحیں اسی وقت دوڑ جائیں گی۔

اس کے بعد فرمایا ــــ اگرچہ باعتبار شرکت سارے مومن اصل محبت میں شریک ہیں لیکن اصلِ معرفت میں مقربین بارگاہ کے معاملات ہی دوسرے ہیں۔ ان کی ہمت اور ان کی نظر کے سامنے اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور ان کے پاک دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے سوا کسی اور چیز کی قدر نہیں ہوتی ان کے دل میں نہ بہشت کا شوق ہوتا نہ دوزخ کا خوف۔

نقل ہے کہ زبور میں یہ تحریر ہے کہ اس سے بڑا ظالم وہ ہے جو بہشت کے شوق یا دوزخ کے خوف سے میری عبادت کرتا ہے۔ اگر بہشت و دوزخ کو میں پیدا نہیں کرتا تو کیا میں

عبادت اور پرستش کے لائق نہیں رہتا۔

کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی گذر ایک قوم پر ہوئی جو عبادت میں خوب غلو سے کام لے رہی تھی۔ اور عرض کر رہی تھی کہ میں بہشت کا امیدوار ہوں اور دوزخ سے خائف ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا___ مخلوق سے ڈرتے ہو اور مخلوق کی امید رکھتے ہو۔ اس کے بعد آپ ایک دوسری قوم کی طرف گئے دیکھا کہ وہ جماعت عبادت میں مشغول ہے اور یوں عرض کر رہی ہے کہ میں خداوند تعالیٰ کی عبادت اس کی بندگی، غلامی اور اس کی عزت وجلال کی تعظیم میں کر رہا ہوں۔ احباله وتعظيماً لجلاله۔ آپ نے ان لوگوں سے فرمایا___ تم ہی لوگ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے دوست ہو مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تم ہی لوگوں کے ساتھ رہوں۔

مجلس - ۳۰

۷/ رجمادی الآخر ۷۶۲ھ بدھ کے دن آستانہ بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ یہ مخدوم کے بھانجا مولانا زین الدین کے انتقال کا دوسرا دن تھا۔ جماعت خانہ میں ختم (قرآن) سے فارغ ہونے کے بعد زیادہ تر لوگ حضرت مخدوم عظمہ اللہ کی خدمت اقدس میں حاضری کے لئے چلے گئے۔

خواجہ نصیر الدین دیوالی نے عرض کیا___ اگر کوئی جماعت بیابان میں شہید ہو جائے تو ان کی تدفین کی کیا صورت ہوگی؟

حضرت مخدوم نے فرمایا___ ان کو فرشتے دفن کریں گے۔ بغیر دفن کئے کسی مردے کو نہیں چھوڑا جاتا تا کہ تدفین کے بعد سوال و جواب کے مرحلے سے گذارا جائے اور دفن سے پہلے سوال و جواب ہوتا نہیں۔

خواجہ نصیر الدین مذکور نے پھر عرض کیا___ دفن میں کیا حکمت ہے؟

فرمایا ___ آدمی معزز و مکرم ہے اور مرنے کے بعد بھی اس کا اکرام باقی رہے اسی لئے دفن کرتے ہیں، اگر دفن نہیں کریں گے تو پھر نعش جانوروں کی خوراک بن جائے گی، اور اس سے مردے کی ذلت ورسوائی ہوگی۔ دوسری بات یہ کہ موت کے بعد کیا حشر ہوا اس کی پردہ پوشی بھی ہو جاتی ہے، اور اس پردہ پوشی سے بھی آدمی کی تعظیم و تکریم ہی مقصود ہے، ان کے علاوہ جو مقصد ہے اس کو خدا ہی جانتا ہے۔

اسی درمیان حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا ___ ہندوؤں کو بھی دفن کرتے ہیں؟

فرمایا ___ ہاں! سب کو دفن کرتے ہیں اور دفن کے بعد سوال کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا ___ معتزلہ روح اور قبر کے آرام و تکلیف، عذاب و پکڑ کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں جب آدمی مرجاتا ہے تو وہ جماد ہو جاتا ہے اور جماد کو راحت و آرام، عذاب و عقوبت کی کیا خبر۔ لیکن اہل سنت و جماعت کے علماء کے نزدیک مومن کی روح مقامِ علّیین میں ہوتی ہے۔ علّیین عرش کے پایہ کو کہتے ہیں، اور جسم زمین کے اندر ہوتا ہے، گرچہ ہماری تمہاری نظر میں جسم اور روح کے درمیان اتنی زیادہ دوری ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود جسم اور روح میں الفت باقی رہتی ہے اور وہ الفت و تعلق اسی طرح رہتا ہے جیسا زندگی میں تھا۔ لہٰذا راحت و آرام، عذاب و عقوبت دونوں میں شریک ہیں۔ ہاں! بولنا، آنا، کھانا، پہننا اور تمام دنیاوی امور البتہ اس سے منقطع ہو جاتے ہیں۔ یہ تو ایک امر مشکل ہے کہ شرع میں قبر کے عذاب کا تذکرہ آیا ہے لیکن اس کی کیفیت کو بیان نہیں کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس پر ایمان رکھنا چاہئے اور اس کی کیفیت کو جاننے کی کوشش میں اپنے وقت کو نہیں لگانا چاہئے۔

تفسیر کشاف کا ذکر ہونے لگا۔ خواجہ نصیر الدین دیوالی نے یہ حکایت بیان کی کہ ایک بزرگ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے کشاف پڑھانے کی درخواست کی، انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ واپس لے جاؤ۔ جب رات ہوئی تو خواب میں دیکھا کہ زمخشری کو زنجیر اور بیڑیوں میں جکڑ کر دوزخ کی طرف لے جا رہے ہیں۔ حضرت مخدوم نے اس حکایت کو

سن کر فرمایا___ سبحان اللہ! ایسے عالم، اور اتنے سارے علوم وفنون پر مہارت رکھنے والے کے بارے میں جب ازل میں ایسا حکم نافذ ہو جائے تو پھر علم کس کام کا، اور ایسے علم کا کیا فایدہ! یہی وجہ ہے کہ علماء نے علم کے ساتھ، حکماء نے حکمت کے ساتھ اور عقلاء نے عقل کے ساتھ بہت کم تعلق رکھا ہے، اپنے علم، اپنی حکمت اور اپنی عقل کو گم کر دیا ہے، وہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ دیکھئے پردۂ مشیت سے کیا ظاہر ہوتا ہے، اس معاملہ میں سب برابر ہیں، کیا یہ اور کیا دوسرے۔

اسی درمیان مولانا تاج الدین حافظ وہاں پر موجود تھے انہوں نے یہ آیت پڑھی یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ [البقرہ/۲۱۳] (وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے) حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا___ یھدی من یشاء ای باختیارہ (ہدایت دینا اس کی مرضی پر ہے یعنی اس کے اختیار میں ہے) اگر اختیار پوشیدہ نہیں ہو تو پھر جبر لازم آئے گا۔ یہاں پر اختیارِ وعید پوشیدہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا___ پورا قرآن تین اقسام پر مشتمل ہے۔ بندے کی مشغولیت کے ذکر کے ساتھ اللہ کی مشیت کا ذکر ہے۔ یا اللہ کے ذکر کے ساتھ بندہ کے افعال کا ذکر ہے، دونوں حال میں اللہ تعالیٰ کی جو بات کہی گئی ہے وہاں بندے کا اختیار پوشیدہ ہے تاکہ جبر لازم نہ آئے۔ اور قدریہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب بندہ کو پیدا کیا فعل کی قدرت اس میں رکھ دی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کو بندہ کے افعال میں کوئی دخل نہیں ۔ اور جبر وقدر پر ایمان لانا ہے۔ ایک قسم اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ذکر بھی ہے اور دوسری بندے کا ذکر۔ اُن دونوں اقسام کو اِن دونوں اقسام سے تقسیم کریں گے تاکہ تمام آیات پر عمل ہو جائے۔

جزو لا یتجزیٰ کا تذکرہ ہونے لگا کہ معتزلہ کے نزدیک اس کا وجود نہیں ہے اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک اس کا وجود ہے۔ اس اختلاف کا ثمرہ کہاں ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا___ تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عالَم کو تین قسموں میں بانٹا گیا ہے جوھر، جسم، عرض۔ جزو لا یتجزیٰ سے متعلق یہ ہے کہ اگر جوہر کا وجود نہیں ہوگا تو جسم کا وجود بھی نہیں ہوگا۔ لان الجسم ما یترکب من جوھرین

قصاعداً جب جسم کا وجود نہیں ہوگا تو عرض کا وجود بھی نہیں ہوگا اس لئے کہ جسم کا وجود عرض پر ہے۔ایسی صورت میں تینوں قسمیں ختم ہو جائیں گی یہاں عقلاء کے اجماع کا انکار لازم آتا ہے اور عالم کی تقسیم باطل ہو جائے گی۔

اس ارشادِ گرامی کے بعد فرمایا کہ ___ یہ مولانا شرف الدین ابوتوامامؒ کا قول ہے۔

مجلس - ۳۱

۸/ جمادی الآخر ۷۶۲ھ جمعرات کو آستانہ بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت مخدوم عظمہ اللہ خواجہ سلیمان سوداگر اودھی کی درخواست پر اپنے تمام احباب کے ساتھ ملک محمود عوض متصرف بہار کے باغ کی طرف تشریف لے گئے تھے، وہاں قوالی ہو رہی تھی، قوال کلام سنا رہے تھے اور حضرت مخدوم مجلسِ سماع میں اپنے وقتِ پاک کی برکتیں دنیا اور دنیا والوں پر نثار کر رہے تھے، جب مجلسِ سماع ختم ہوئی ظہر کی نماز ادا کی گئی اس کے بعد کھانے کا اہتمام ہونے لگا، کھانے سے فراغت کے بعد خانقاہِ معظم کی جانب واپسی ہوئی۔ یہ خاکسار اور قاضی شمس الدین چوسہ ڈولہ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے، احباب اور دوسرے بزرگان ڈولہ سے کچھ دوری پر پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔

قاضی شمس الدین نے دریافت کیا ___ وہ بندے جو خدمت وصحبت میں رہتے ہیں اور مقصود تک پہنچنے سے پہلے حق تعالیٰ کی رحمت سے مستفیض ہو جاتے ہیں ان کے حصے میں کچھ حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا ___ جی ہاں! ان کے حصے میں حسرتِ نایافت ہوتا ہے اور اسی حسرت کے طفیل وہ پا لیتے ہیں، اسی لئے کہا گیا ہے کہ حسرتِ نایافت شادیِ یافت سے بہتر ہے۔

خاکسار نے عرض کیا وہ کیسے؟ فرمایا___ وہ اس طرح کہ صاحبِ یافت کو زوال کا خطرہ لگا رہتا ہے اور صاحبِ نایافت کو پانے کی فکر رہتی ہے۔ لہٰذا حسرتِ نایافت شادیِ یافت سے یقیناً بہتر ہے۔ کسی بزرگ سے لوگوں نے پوچھا اگلے مشائخ کو جو باتیں حاصل تھیں آپ کو ان میں سے کچھ حاصل ہے یا نہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! حاصل ہے اور وہ ہے حسرتِ نایافت۔ اور یہ جملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے انا عند المنکسرات قلوبھم لاجلی (میں ان لوگوں کے پاس رہتا ہوں جن کے دل میری وجہ سے ٹوٹے ہوئے ہیں) اس جملے سے شکستہ دلوں کو بڑی امیدیں وابستہ ہیں اور ان اللہ یحب کل قلب حزین سے (بیشک اللہ تعالیٰ ہر قلب حزیں کو دوست رکھتا ہے) ٹوٹے دلوں کو بڑی بڑی خوشخبریاں مل رہی ہیں۔

ایک بزرگ سے منقول ہے کہ جب ان کا کوئی دوست یا مرید کہیں سفر میں جاتا تو فرماتے جہاں کہیں کوئی غمزدہ یا اندوہ گیں ملے تو اس کو میرا اسلام کہنا۔

ایک دوسرے بزرگ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جب سورج طلوع ہوتا تو فرماتے آج کسی غمزدہ اور اندوہ گیں تک مجھے پہنچا دے۔

خواجہ ابودقاقؒ سے نقل ہے آپ نے فرمایا رنج و غم والے جس راہِ حق کو ایک مہینے میں طئے کرتے ہیں دوسرے لوگ جن کو رنج و غم سے واسطہ نہیں برسوں میں طئے کرتے ہیں۔

مجلس - ۳۲

۹ر جمادی الآخر ۶۲ھ آستانۂ معظم کی خاک بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ اُس روز ہوا بہت تیز چل رہی تھی۔

خاکسار نے عرض کیا___ اللّٰھم اجعلھا ریاحاً و لا تجعلھا رائحۃ کے کیا معنی ہیں؟

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا ــــ اس کے معنی ہیں بارالہا! اس کو خوشگوار ہوا بنادیجئے وہ ہوا نہ بنایئے جو صاعقہ یعنی آگ برسانے والی ہو۔

اگلی امتوں میں اسی صاعقہ کے ذریعہ ہلاکت ہوئی ہے۔ جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم یا حضرت ہود علیہ السلام کی قوم صاعقہ کے ذریعہ ہلاک ہوئی۔ اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب قوم کا انکار اور غرور و تکبر حد سے بڑھ گیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے ان کا انکار بغاوت کی حد تک پہنچ گیا، اللہ تعالیٰ تو جان رہے تھے کہ یہ قوم ایمان لانے والی نہیں اس لئے حکم دیا کہ اپنی قوم سے کہہ دیجئے کہ میں تمہارے لئے صاعقہ بھیج دوں گا۔ جب حضرت صالح و ہود نے اپنی امت تک یہ وحی پہنچائی تو اس قوم نے کہا ٹھیک ہے، ہم تیار ہیں، کہہ دیجئے کہ صاعقہ آجائے، صاعقہ سے ہم لوگوں کا کیا بگڑے گا وہ مجھے ہلاک نہیں کرسکتی۔ اس کے بعد ساری قوم نے صحرا کا رخ کرلیا، وہاں پہنچ کر اپنے کو ناف تک زمین کے نیچے کرلیا اور اپنی کمر کو خوب مضبوطی کے ساتھ زمین سے کس دیا، اس کے بعد کہا اپنے خدا سے کہئے کہ وہ صاعقہ بھیج دے۔ پھر کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک ایسی ہوا بھیجی جس نے ان کے جسم کے آدھے حصے کو جو زمین سے اوپر تھا تلوار کی طرح کاٹ کر پھینک دیا اور نصف حصہ جو زمین کے نیچے تھا اس کے لئے زمین کو حکم ہوا کہ وہ پکڑے رہے نعوذ باللہ من عذابہ (اللہ کے عذاب سے اس کی پناہ مانگتا ہوں)

اجتہاد کے موضوع پر گفتگو ہونے لگی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا.....................

(یہاں پر فارسی متن میں عبارت چھوٹی ہوئی ہے.........)

ایک دوسرے کی تقلید (پیروی) کا ثبوت ملتا ہے مثلاً امام شافعیؒ کے بارے میں آیا ہے کہ ایک روز آپ نے حجامت بنوائی، ریش مبارک کے بال جسم پر موجود ہی تھے کہ آپ نے اسی حال میں دو رکعت نماز ادا کی۔ شاگردوں نے عرض کیا ــــ آپ کے مذہب میں داڑھی کے بال اور ناخن کے ساتھ نماز نہیں ہوتی، پھر ایسا آپ نے کیوں کیا؟ فرمایا ــــ اس وقت میں نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کیا ہے۔ اسی طرح امام ابی یوسف قاضیؒ کے متعلق نقل ہے کہ

انہوں نے غسل کیا پھر جمعہ کی نماز ادا کی ،اس کے بعد لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ جس کنواں کے پانی سے آپ نے غسل کیا ہے اس میں چوہا گرا ہوا تھا۔ آپ کے مذہب میں اس کا جو مسئلہ ہے وہ معلوم ہے۔ پھر ایسا کیوں؟ فرمایا___ اس مسئلہ میں امام شافعی کے مذہب پر عمل کرلیا ہے۔

اس کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا___ جاننا چاہئے کہ اجتہاد مرتبہ کا نام ہے۔ نصاب الاخیار میں آیا ہے کہ جس نے کسی عالم کی سات دنوں تک خدمت کی وہ سات ہزار سال تک اللہ کی خدمت میں لگا رہا، اور اللہ تعالیٰ اس کو ہر دن کے بدلے ایک شہید کا ثواب عطا فرماتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آخر زمانے میں ایک شخص ہوں گے جن کا نام نعمان بن ثابت ہوگا اور ان کی کنیت ابو حنیفہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین اور میری سنت کو انہیں کے ذریعہ زندہ کرے گا۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ قریش کو گالی نہ دو، یقیناً اور بلاشک قریش میں ایک ایسے عالم ہوں گے جو روئے زمین کو علم سے بھر دیں گے۔ کہتے ہیں کہ زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ وہ عالم امام شافعی کے نام سے مشہور ہوئے جن کا تعلق قریش سے تھا۔

مجلس - ۳۳

۱۱ر جمادی الآخر ۷۶۲ھ آستانہ بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ غازیوں کا ذکر ہونے لگا، حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا___ وہ غازی جو دارِ حرب میں جاتا ہے وہ جان و مال چھوڑ کر جاتا ہے، وہ اپنے جان و مال کو دشمنانِ دین کے آگے چھوڑ کر اپنے دعوئے ایمان کو سچ کر دکھاتا ہے۔ اہلِ حرب ہمارے دشمن ہیں اور ہم ان کے دین کے دشمن ہیں، ہماری تو ہر وقت ان سے عداوت و جنگ رہتی ہے، کبھی وہ ہم پر فاتح ہوتے ہیں اور کبھی ہم کو ان پر فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے۔ یہ دنیا تو آزمائش کی جگہ ہے، یہاں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ایمان کے شرف و اعزاز کی وجہ سے ایسا لگتا ہے کہ ہر وقت مسلمانوں ہی کو فتح و نصرت حاصل ہوتی لیکن دنیا دارِ بلا ہے اگر ایسا ہوتا تو پھر

آزمائش اور ابتلا کی گنجائش نہیں رہتی، صادق و کاذب میں، مخلص و منافق میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ قرآن میں نصرت کا جو وعدہ ہے وہ پیغمبروں اور مومنوں کے لئے مخصوص ہے۔ اس نصرت سے آخری نصرت مراد ہے، آخری نصرت انہیں کے لئے ہے اور آخرت ہی پر سارا دارومدار ہے۔

اس کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا ___ مال و اسباب قربان کیا جاسکتا ہے لیکن جان قربان کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ پھر فرمایا ___ بہت پہلے یہ حکم نافذ ہو چکا ہے کہ ہزاروں ہزار امّت شہید ہوگی لہٰذا یہ تو ہونا ہی ہے اور کون ہے جس کو شہادت کی آرزو نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا ___ مہاجر و انصار کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سب کچھ لٹا دیا، املاک و اسباب لٹا دیا، جان و مال قربان کر دیا، بیوی بچوں کو ایثار کر دیا، نبی اکرم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی اور جن لوگوں نے ایمان لایا تھا ان پر بھی ہجرت فرض تھی جنہوں نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی انہوں نے تنہا ہجرت کی، اکیلے گئے اور سارا مال و اسباب، بال بچوں اور اسباب و املاک کو مکہ میں چھوڑ کر چلے گئے، وہاں سے نکل کر آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں مدینہ آگئے، ان مہاجروں کی جن لوگوں نے مدد کی وہ مدینہ کے رہنے والے تھے ان ہی کو انصار کہا جاتا ہے اور جنہوں نے مکہ سے ہجرت کی ان کو مہاجر۔ اس لئے کہ وہ مکہ میں سب کچھ چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تھے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لانے کے بعد انصار کو بلایا اور فرمایا کہ مجھ پر اور مومنوں پر ہجرت فرض کر دی گئی ہے، میں آگیا ہوں اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ بھی میرے بعد آرہے ہیں۔ آپ لوگوں کے پاس جو مال و اسباب ہے وہ میرے پاس لے آیئے تاکہ ان کو دیا جائے۔ جو لوگ مکہ میں اسباب و املاک، زن و فرزند اور مال و دولت چھوڑ کر یہاں آرہے ہیں ان کے ساتھ آپ لوگ کیا کریں گے۔ اگلی امتوں پر مالِ غنیمت حرام تھا اور آپ ﷺ کے عہدِ نبوت میں مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا اگلے پیغمبروں کے مذہب میں مالِ غنیمت حلال نہیں تھا لیکن میرے مذہب میں حلال کر دیا گیا ہے۔ اگر آپ لوگوں نے اس وقت ان کی مدد کی تو مال غنیمت میں آپ لوگوں کو بھی شریک

کرلوں گا ورنہ مال غنیمت صرف مہاجروں کے حصے میں آئے گا، ایسی صورت میں کہئے آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟ یہ سن کر انصار واپس چلے گئے، آپس میں مشورہ کیا، ایک رائے پر سب متفق ہوگئے، دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! ہم لوگوں کے پاس جو کچھ اسباب واملاک، زرومال، جنس ونقد کی شکل میں ہے ان کا نصف مہاجروں کے لئے ہے اور نصف ہم لوگوں کے لئے۔ اور مالِ غنیمت جو آئے گا وہ بھی مہاجروں کا ہوگا، اس میں سے ہم لوگ کچھ نہیں لیں گے۔ یہاں تک کہ جن کے پاس دو بکریاں تھیں ان میں سے ایک بکری لا کر پیش کردی، جن کے پاس دو اونٹ تھے ایک اونٹ پیش کردیا جن کے پاس جو چیز تھی اس کا نصف حاضر کردیا، حد تو یہ کہ جن کی دو بیویاں تھیں انہوں نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دے کر مہاجر کے لئے ایثار کردیا۔ انصار رضی اللہ عنہم نے اس طرح اپنے اسباب واملاک، جان ومال اور اپنی بیویاں ایثار کرکے مہاجروں کی مدد کی۔ مالی اور بدنی احکام میں سے کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو آج کوئی انجام دے گا بلکہ ایسا حکم اگلے لوگوں کے لئے تھا، آج کسی کو اس کی اتباع کرنی نہیں ہے، ہاں! اگر کسی کو توفیق ہوجائے تو وہ اس اگلی فضیلت کو حاصل کرلے اور اگلوں کی اس سنت کو اپنالے۔

مجلس - ۳۴

۱۵؍جمادی الآخر ۱۳۶۲ھ بدھ کے دن آستانہ بوسی کی دولت نصیب ہوئی۔ خاکسار نے عرض کیا ــــ بعض لوگ اپنے مُردوں کی قبر پر ایک ساتھ جمع ہو کر قرآن کا دور کرتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے؟

حضرت مخدوم نے فرمایا ــــ اس طرح کی باتیں روایت میں ملتی ہیں مگر اصولِ قانون کے مطابق صحیح نہیں ہیں، اس لئے کہ یہ عمل میں نہیں ہیں، دوسری بات یہ کہ ان (مُردوں) کو اس کام کے کرنے پر مکلف نہیں کیا گیا ہے، وہ دیکھتے ہیں، سنتے ہیں مگر اس کام کے کرنے کی قدرت

نہیں رکھتے، مثلاً غزوہِ بدر میں مکہ کے ستر سرداران مارے گئے تفسیر میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب کے پاس جاتے، ایک ایک کا نام لے کر پکارتے اور یوں فرماتے اِنَّا وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَھَلْ وَجَدتُّم مَا وَعَدَکُم (جو وعدہ ہمارے رب نے ہم سے کیا تھا ہم نے بے شک اس کو سچا پالیا تم سے جو وعدہ کیا گیا تھا کیا تم نے اس کو پالیا؟) صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو مردہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا مردہ تو ہیں لیکن سنتے ہیں۔ ہاں! جواب دینے پر قادر نہیں ہیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کو بولنے کا حکم نہیں ہے اور دَور پڑھنا و بولنا نہیں ہے۔

بعض قبروں سے عذاب کی آواز جو سنی گئی ہے وہ مسئلہ یا اسی طرح کا مسئلہ روایتوں میں آتا ہے قانون کے مطابق نہیں ہے۔ اگر ایسی بات عام طور پر ہوتی تو اس سے فتنے پیدا ہوتے، برائیاں ظاہر ہوتیں۔ اگر ہوا بھی ہے تو شاذ و نادر ہی۔

پھر خاکسار نے عرض کیا ــــ کیا یہ باتیں اربابِ تحقیق پر روشن رہتی ہیں؟

فرمایا ــــ یہ حضرات اہلِ کشف ہیں، بشری ظلمات (یعنی بشریت) ان سے اٹھ جاتے ہیں، باطن کی صفائی اور کشف کی وجہ سے ان کو بصیرت یعنی باطنی بینائی حاصل ہو جاتی ہے اس لئے وہ اسی کان سے سنتے ہیں اور اسی آنکھ سے دیکھتے ہیں جس کو دوسرے اس ظاہری آنکھ سے نہ دیکھتے ہیں اور نہ اس ظاہری کان سے سنتے ہیں۔

مولانا شرف دام شرفا نے عرض کیا ــــ اس آیت فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا [کہف / آخر] (جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھے چاہئے کہ عمل نیک کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے) سے کیا مراد ہے؟

حضرت مخدوم نے فرمایا ــــ تفسیر میں آیا ہے کہ جو اللہ کی رضاء کے لئے خالص عمل صالح کرتا ہے، لوگوں کو دکھانے کے لئے نہیں کرتا وہ خالص عملِ صالح تھوڑا نہیں ہوتا، رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں بناتے ہیں سے مراد یہ ہے کہ رب کی عبادت لوگوں کو دکھانے،

نمائش اور ریا کاری کے لئے نہیں کرتے۔

تبحر علمی اور علماء کی نظر اپنے علم پر ہوتی ہے۔ گفتگو کا عنوان تھا، حضرت مخدوم نے فرمایا (علم کو) اپنے آپ میں تلاش کرنا چاہئے کہ کس طرح اس کو علم و فضل پر کمال حاصل ہوتا ہے، یہ حضرات اپنے اندر وفورِ علم کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔ ہر فن کی حد کو نہیں سمجھ پاتے ہیں تو اس وقت علوم کے کمالات کی وجہ سے کیسے دوسروں کو اپنے آگے جھکا سکتے ہیں۔ امام شافعیؒ اپنے میں جس وفورِ علم کو دیکھتے تھے اسی وجہ سے صحابہ کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے هُمْ رِجَالٌ وَ نَحْنُ رِجَالٌ (وہ بھی آدمی ہیں اور میں بھی آدمی ہوں)۔

اس کے بعد حضرت مخدوم نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ سلطان شمس الدین کی دائیں طرف قاضی حسام الدین شنگرفی بیٹھے تھے اور بائیں طرف مولانا وحید الدین تشریف فرما تھے، اتنے میں مولانا ضیاء الدینؒ آگئے، انہوں نے سلطان کے دائیں بائیں ان دونوں حضرات کو بیٹھے دیکھا تو وہ آگے بڑھے اور سلطان شمس الدین کے برابر میں بیٹھ گئے اور غزوات کی فضیلت بیان کرنے لگے۔ سلطان شمس الدین کی عادت تھی کہ جب کوئی علمی گفتگو کرتا تو وہ اس کی طرف رخ کر لیتے اور سنتے رہتے، اسی عادت کے مطابق سلطان شمس الدین، مولانا ضیاء الدین کی طرف مخاطب تھے اور ان کی باتیں سن رہے تھے۔ قاضی حسام الدین کو جو اپنی دانشمندی پر ناز تھا اسی غیرت میں انہوں نے کہا کہ مولانا کتنا بولتے رہئے گا هُمْ رِجَالٌ وَ نَحْنُ رِجَالٌ (وہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں)۔ یہ سن کر مولانا ضیاء الدین نے کہا بادشاہ سلامت! مولانا حسام الدین کہہ رہے ہیں وہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں، ذرا قاضی حسام الدین سے پوچھئے کہ قضاء کے سلسلے میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کیا ہوا امام اعظمؒ کو جو خود صاحبِ مذہب تھے اس وقت کے بادشاہ نے قید کر دیا اور چند دُرّے بھی لگائے لیکن انہوں نے عہدۂ قضاء قبول نہیں کیا۔ بادشاہِ عالم نے عہدۂ قضاء قبول کرنے کے لئے قاضی کو چند دُرّے لگائے مگر انہوں نے قبول نہیں کیا ــــــ یہ بھی مرد ہیں اور وہ بھی مرد تھے۔ اس کے بعد قاضی قطب الدین کاشانی کے

مناقب بیان فرمانے لگے کہ ان کو جو تبحر علمی حاصل تھا اُس علمی تبحر کا آدمی اس وقت کے قاضی، دانشمندان اور سلطانِ وقت کی نظر میں کوئی نہیں تھا وہ اپنے پاس دُرّہ رکھتے تھے۔

ابو یوسف قاضی کو اپنے والد کی ۳۶۰ تقریریں یاد تھیں۔ان میں سے ہر روز ایک تقریر لوگوں کے سامنے بیان کرتے، جو تقریر آج ہوتی وہ کل دہرائی نہیں جاتی۔بلکہ دوسرے دن دوسری تقریر سناتے اس میں ایسی تقریریں بھی تھیں جن میں کوئی نقطہ نہیں تھا اور ایسی بھی تھیں جن میں نقطے والے الفاظ تھے۔ان کو اپنے والد کی ساری تقریریں من وعن یاد تھیں۔اس کے بعد فرمایا کہ اس روز میں بھی منبر کے درمیان تھا۔سنا ہے کہ جس روز اپنے صاحبزادے کو اپنی جگہ پر بٹھایا اس روز اکابرین شہر کو بلایا۔چنانچہ صاحبزادے کے بیٹھنے کے لئے ایک تخت لگوایا اور اس تخت پر ان کو متمکن کیا۔

مجلس میں تذکرہ ہونے لگا کہ جو بچے بچپن میں مرجاتے ہیں ان کو بچپن کی صفت پر رکھتے ہیں یا ان کے ساتھ کوئی دوسرا معاملہ ہوتا ہے۔

حضرت مخدومؒ نے فرمایا ___ یہ روایت مطلق ہے کہ مومن بہشت میں ۳۳ سال کے ہوں گے۔کمالِ جوانی کی عمر ۳۳ سال ہی ہے۔اہلِ ایمان جو بہشت میں رہیں گے وہ حسنِ داؤدی اور خُلق محمدی ﷺ سے آراستہ کئے جائیں گے۔حضرت آدم علیہ السلام کا جو قد دنیا میں تھا اسی قد پر اہل ایمان رہیں گے۔

خاکسار نے عرض کیا ___ لوگ کہتے ہیں کہ نبی اکرم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہشت میں فرشتوں کے اوصاف پر ہوں گے۔ایسا کیوں کر ہوگا اور یہ بات آپ کی نگاہ مبارک سے کہیں گذری ہے؟

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا ___ کہیں نہیں دیکھا ہے۔

اللہ پاک کے دیدار پر گفتگو ہونے لگی۔قاضی خان کے صاحبزادے قاضی نظام الدین نے عرض کیا کل قیامت کے دن صرف ایک بار دیدار ہوگا؟

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا ___ آج جس کو جتنی معرفت حاصل ہوگی کل

قیامت کے دن اسی کے مطابق دیدار ہوگا۔ اسی لئے آیا ہے کہ کسی کو مہینے میں ایک بار ہوگا۔ کسی کو ہفتہ میں ایک بار ہوگا، کوئی دن رات دیدار سے مشرف رہے گا۔ دنیا میں بھی آدمی کے مراتب اسی طرح ہیں کوئی عام ہے، کوئی خاص ہے، کوئی خاص الخاص ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ ان کو ایک ہی بار دیدار ہوگا۔ لیکن دوسرے فرشتوں کے بارے کوئی اصل نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کا معاملہ اس کے فضل پر منحصر ہے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار کا تعلق عمل سے نہیں ہے بلکہ محض فضل پر ہے جیسے دنیا میں ایمان اور معرفت کی توفیق کا تعلق عمل پر نہیں ہے بلکہ صرف فضل پر ہے۔

اس کے بعد فرمایا خواجہ یحییٰ معاذؒ نے فرمایا ہے کہ اگر عارفوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دیدار کے لئے نہیں بلائیں گے تو یہ حسرت وغم میں ڈوب جائیں گے۔ سلطان العارفین قدس سرہٗ العزیز سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ بہشت میں اپنے دیدار سے روک دے گا تو میں اتنا نالہ وفریاد کروں گا کہ دوزخیوں کو بھی مجھ پر رحم آجائے گا۔

اس کے بعد سوال ہوا کہ کل قیامت کے دن محبین حق لذتِ دیدار پانے کے بعد بہشت کی نعمتوں کو قبول کریں گے یا نہیں؟

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اپنی خودی کی وجہ سے قبول نہیں کریں گے لاجل الجنۃ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ان کو نور کی زنجیروں میں باندھ کر بہشت میں لے جاؤ۔ اس کے بعد فرشتے ان کی گردن میں نور کی زنجیر ڈال کر بہشت کی طرف لے جائیں گے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

حواشی

نمبر شمار	مجلس	حواشی
۱	۲	فیض وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اپنے فضل وکرم سے کسی خاص نعمت و دولت کے ساتھ مخصوص فرمالے بغیر کسی طلب و مجاہدہ کی سختی اٹھائے اور یہ فیض تا قیامت منقطع نہیں ہے (بحوالہ معدن المعانی)
۲	۳	کتاب کے حاشئے پر کسی نے مسلم شریف اور ترمذی شریف کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیرتے تو بیٹھ کر اتنا ہی پڑھتے اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَام وَمِنْکَ السَّلَام وَعَلَیْکَ یَرْجِعُ السَّلَام تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَ تَعَالَیْتَ یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام
۳	۳	مکتوبات دوصدی کا مکتوب نمبر ۱۸۰ اسی مضمون پر مشتمل ہے اور اس میں حضرت مخدوم جہاںؒ نے الشیخ یحیی ویمیت کی بہت خوب تشریح فرمائی ہے۔
۴	۴	باب التعزیة ص ۳۱۶
۵	۴	باب التعزیة ص ۳۱۶
۶	۵	فارسی میں معنی جاننے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی مادری زبان میں اس کلمۂ ایمان کے معنی کو نہیں سمجھتا ہے۔
۷	۶	پوری آیت اس طرح ہے:- توفنی مسلما و الحقنی بالصٰلحین [یوسف/۱۰۱]
۸	۹	فارسی متن میں یہ حدیث شریف یہیں تک ہے اور اس کے بعد "تا آخر حدیث" مرقوم ہے، لیکن ترجمہ فواید رکنی ص ۹۹ سے پوری حدیث ترجمہ کے ساتھ یہاں لکھ دی گئی ہے ---- مترجم

۹	۱۳	مجلس ۱۲ میں ۱۸ ربیع الاول جمعہ کا دن ہے، اس حساب سے ۲۰ ربیع الاول کو اتوار ہونا چاہئے۔
۱۰	۱۳	بعض نسخے میں لطیف الدین ہے۔
۱۱	۲۳	زلت، لغزش اور اس صغیرہ کو کہتے ہیں جو قصد اور ارادہ کے بغیر ہو، اسی کو انبیاء کے حق میں زلت کہتے ہیں معصیت نہیں کہتے، زلت کی یہ تعریف بھی ہے کہ اس کے ارتکاب سے پہلے کوئی ارادہ نہ ہو، اور ارتکاب کے بعد اس پر اصرار و قیام نہ ہو، مثلاً بارش ہوئی، راستہ میں کیچڑ ہے، کوئی جا رہا ہے، اس کا پاؤں پھسل گیا، اور گر پڑا، لڑکھڑانے اور گرنے سے پہلے لغزش اور گرنے کا ارادہ نہیں تھا، جیسے ہی گرا فوراً اٹھ کھڑا ہوا گویا گرا ہی نہیں تھا، زلت بھی بعینہٖ ایسی ہی ہے جو تمام انبیاء کو پیش آتی ہے، یعنی یہ صغیرہ قصداً نہیں ہوتا۔ (ترجمہ خوان پر نعمت ص ۸۶)
۱۲	۲۴	فارسی متن میں صرف مہینہ اور دن تحریر ہے، تاریخ درج نہیں ہے، لیکن وہ ربیع الآخر کی ۲۷ رتاریخ ہوگی۔
۱۳	۲۵	اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت امام زاہد لکھتے ہیں کہ جو خداوند تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہی عالم ہے۔ اگر کوئی لاکھوں مسائل (دینیہ) کا واقف ہے لیکن اس کے دل میں خداوند تعالیٰ کا خوف نہیں تو اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق وہ عالم نہیں بلکہ حمالِ علم (یعنی علم کا بوجھ اپنی پیٹھ پر اٹھائے ہوئے ہے) ہاں! اگر کوئی صرف ایک ہی مسئلہ جانتا ہے لیکن خدا کا خوف اپنے دل میں رکھتا ہے تو وہی عالم ہے اور ایسے شخص کا حشر قیامت کے دن عالموں کے ساتھ ہوگا۔ (تفسیر زاہدی)
۱۴	۲۶	یہ سوال و جواب عصمت الانبیاء کے حوالے سے خوان پر نعمت مجلس ۱۹ میں تفصیل سے آیا ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملفوظات کی فہرست میں خوان پر نعمت ہی چوتھا ملفوظ ہے۔
۱۵		پیش نظر نسخوں میں کوئی شعر نہیں ہے۔

اشاریہ

''اسماء الرجال''

❀❀❀

Malfoozus Safar

By *Hazrat Makhdoom Jahan Shaikh Sharafuddin*
Ahmad Yahya Maneri Firdousi (R.A)

Translated By :
Maulana Dr. M. Ali Arshad Sharfi

حضرت مترجم کی علمی خدمات

۱۔ مکتوبات بست وہشت
۲۔ خوان پُرنعمت
۳۔ ارشادالطالبین
۴۔ ارشادالسالکین
۵۔ فوائدرکنی
۶۔ شرح آداب المریدین (جلداول)
۷۔ تفسیرزاہدی (سورۂ فاتحہ)
۸۔ رسالہ عینیہ
۹۔ اصول العشرہ
۱۰۔ وصیت نامہ
۱۱۔ مناقب الاصفیاء
۱۲۔ مونس القلوب
۱۳۔ مکتوبات مخدوم حسینؒ
۱۴۔ ملفوظ الصفر
۱۵۔ شرف الانساب
۱۶۔ مخ المعانی (غیرمطبوعہ)
۱۷۔ حیات وآثار
حضرت جناب حضور شاہ امین احمد فردوسی ثباتؔ
(تحقیقی مقالہ) غیرمطبوعہ
۱۸۔ بہارشریف کے فارسی گوشعراء
(تحقیقی مقالہ) غیرمطبوعہ

Published By :
Sharaful Ashaet
Gulzar-E-Ibrahim, Bhainsasur, Biharsharif,
Nalanda, (Bihar) - 803101
Email : sharafulashaet@gmail.com
Mob.: 9973755038

Rs. 80/-